

سلسلہ مطبوعات ادارہ ادبیات اردو شمارہ (۴۰)

شعر از عثمانیہ



(یعنی) —
مربع سخن کی چوتھی جلد

— (جس میں) —

جامعہ عثمانیہ کے چھپس شعر کے کلام کا انتخاب پیش کیا گیا ہے

— (ہر قصبہ) —

سید معین الدین قسیمی ام اے (عثمانیہ) عبد القیوم خان باقی ام اے پرچہ نگار (عثمانیہ)
صند مدرس مدرسہ وسطانیہ بھونگیر لکچرار اردو جامعہ عثمانیہ

۱۹۳۹ء

دفتر ادارہ رفعت منزل - خیریت آباد سے شایع ہوئی

مطبوعہ مکتبہ ابراہیمیہ مشین پریس



اسٹوڈنٹس بکس ایکسپریس لائبریری جامعہ اردو

فہرست

دیباچہ سہمی

از ڈاکٹر سید محمد الدین صاحب قادری زور

تقریب

از مولوی عبدالقیوم خاں صاحب باقی ام۔ اے ریچ اسکالر

مجلد

صفحہ

صفحہ	مجلد	عنوان
۲۷	۱۳	برسات کی رات
۲۷	۱۴	مادر گیتی
۲۸	۱۲	غزلیں
	۱۴	اکبر و قانی
۳۱	۱۵	تج محل کو دور سے دیکھ کر
۳۲	۱۶	بت کمسن
۳۳	۱۷	ساغر جہانگیر
۳۵	۱۸	حسن کی دیوی
۳۵	۱۹	آغازِ شباب
۳۶	۲۰	آوازِ قدم
۳۷	۲۱	گاؤں والی
۳۷	۲۲	سندر شام
۳۸	۲۳	ٹیپو سلطان سے اہل ہند کا خطاب
۴۰	۲۴	نیپل اور شام
	۲۵	امیر - محمد امیر
۴۱	۲۵	محسوسات
	۱۱	آرام - قاضی غلام احمد شریف
	۱	فریبستی
	۲	چہراغ
	۳	گھڑی اور اس کی بیداری
	۴	یارانِ رفت کی یادیں
	۵	ربا نیات
	۶	غزل
	۷	اشک - محمد جلال الدین
	۸	فطرت اور زندگی
	۹	نفس
	۱۰	تیتری
	۱۱	فتنہ خوابیدہ سے
	۱۲	نظم رنگیں
	۱۳	گوشتِ شہزادہ
	۱۴	تظہیر اکبر آبادی
	۱۵	سلطانہ رضیہ میدان جنگ میں

صفحہ نمبر	صفحہ نمبر	نمبر سلسلہ
۶۶	۵۰ سورہ	۲۶ بحیہ
۶۷	۵۱ ریل گاڑی	۲۷ شیب و شاب
۶۸	۵۲ برقی - ابراہیم فتح محمد نصر اللہ	۲۸ خط کا انتظار
۶۹	۵۳ نقش و نگار طاق نیاں	۲۹ عظمت پیری
۷۰	۵۴ دل کی فریاد	۳۰ حیات جاوید
۷۱	۵۵ فلسفیوں کی محفل	۳۱ ماضی و حال
۷۵	غزلیں	۳۲ خطائے گل
۸۸	۵۶ حزیں - محمد شعیب	غزلیں
۷۹	۵۷ یادگار رات	۳۳ بانی - محمد عبدالقیوم خاں
۸۰	غزلیں	۳۴ میرے سرکار سے
۹۳	۵۸ فوکی - محمد عبدالسلام	۳۵ ہائری
۹۴	۵۹ حمد	۳۶ سیکڑہ سحر
۹۵	۶۰ مدح بنی	۳۷ گناہ
۹۶	۶۱ طلسم زندگی	۳۸ فسراق
۹۷	۶۲ تیزی	۳۹ مقبرہ رابعہ دورانی
۹۸	غزلیں	غزلیں
۹۹	۶۳ رشدی - محمد حبیب اللہ	۴۰ فاؤسٹ (انتخاب)
۱۰۰	۶۴ نمود صبح	۴۱ بدر - ڈاکٹر محمد بدر الدین
۱۰۱	۶۵ حسن ملیح	۴۲ پھول کی سرگزشت
۱۰۲	۶۶ قیام سلطنت آصفیہ	۴۳ سحر کی نیند
۱۰۳	۶۷ رغبت شباب	۴۴ شاعر
۱۰۴	۶۸ شہر گوہریں	۴۵ جبرائیم
۱۰۵	۶۹ یاد ماضی	۴۶ راج کمار
۱۰۶	۷۰ بہار کی رات	۴۷ دکن
۱۰۷	۷۱ اپنے رقیب سے	۴۸ شباب کی زبانی
۱۰۸	۷۲ ترک شعر	۴۹ شکست
		۵۰ دلہن

صفحہ	نمبر سلسلہ	صفحہ	نمبر سلسلہ
۱۳۶	۹۲	زور۔ ڈاکٹر سید محی الدین قادری	۷۰
۱۳۷	۹۳	چاندنی	۷۱
		آسمان کی زباں سے	۷۲
۱۳۹		افسانہ محبت	۷۳
		رہبر منزل کی جدائی میں	۷۴
		جامعہ عثمانیہ اور نوہمالانِ دکن	۷۵
۱۴۱	۹۴	غزلیں	
۱۴۲	۹۵	زریبا۔ سید علی حسنین	
۱۴۳	۹۶	بذخہ شعر سے خطاب	۷۶
۱۴۵		زندگی	۷۷
		سکون	۷۸
		نغمہ سحر	۷۹
		برسات کی ایک رات	۸۰
۱۴۸		پیشیا اور عورت	۸۱
		تیری یاد	۸۲
		اے دوست	۸۳
۱۵۰	۹۷	معصوم نغمہ	
۱۵۱	۹۸	غزلیں	
۱۵۱	۹۹	ساز۔ صمد رضوی	
۱۵۲	۱۰۰	تلاش سکون	۸۴
۱۵۳	۱۰۱	واردات	۸۵
۱۵۳	۱۰۲	مغنیہ	۸۶
۱۵۴	۱۰۳	آرزوئے رنگین	۸۷
۱۵۵	۱۰۴	میری ایک رات	۸۸
		بھول نہ جانا عہد وفا کو	۸۹
		نئی دنیا	۹۰
۱۵۶	۱۰۵	سراپا	۹۱
۱۵۷	۱۰۶		
۱۵۸	۱۰۷		
۱۵۸	۱۰۸		
۱۵۹	۱۰۹		
۱۵۹	۱۱۰		

غزلیں
شکر مومن لال

۱۱۱	مزدور و شہید
۱۱۲	بہار
۱۱۳	ایک ہندی عورت عالم خیال میں
۱۱۴	عالم فراق
	غزلیں
	عزیز - عزیز احمد
۱۱۵	عمر خیاں (ایک لڑیکہ ڈرامہ)
	محمد و محمد الدین
۱۱۶	مشرق
۱۱۷	ٹوٹے ہوئے تارے
۱۱۸	قلندر
۱۱۹	انتظار
۱۲۰	ساگر کے کنارے
۱۲۱	پرسہ
۱۲۲	نامہ حبیب
۱۲۳	موت کا گیت
	میر حسن الدین
۱۲۴	شباب
۱۲۵	چاندنی رات
۱۲۶	دل کی دنیا
	میکش - صاحبزادہ میر محمد علی شاہ
۱۲۷	شاعر
۱۲۸	نظام ساگر اور چاندنی
۱۲۹	بغادت
۱۳۰	وادی
۱۳۱	ہندوستان
۱۳۲	اشنان

آپ بیتی

۱۶۰	۱۳۳
۱۶۳	۱۳۴ چاندنی رات
۱۶۴	۱۳۵ اندھا
۱۶۵	۱۳۶ نعرہ شباب
۱۶۶	غزلیں
۱۶۷	وجد - سکندر علی
۱۶۸	۱۳۷ تاج محل
۱۶۹	۱۳۸ علی ساگر
۱۷۰	۱۳۹ کل رات کو
	۱۴۰ اجنتا
۱۸۶	۱۴۱ تیرے بغیر
۱۸۷	۱۴۲ عبدالرزاق لاری
۱۸۸	۱۴۳ شباب و خواب کی دنیا
۱۸۹	غزلیں
۱۹۰	لطیف النساء بیگم
۱۹۱	۱۴۴ کیسا اچھا خالق ہے تو
۱۹۲	۱۴۵ زمانہ بدل گیا
۱۹۳	۱۴۶ سلام
۱۹۴	۱۴۷ گلزار رنگ و بو
۱۹۵	۱۴۸ تاروں کا مدرسہ
۱۹۶	۱۴۹ رباعیات
۱۹۷	غزلیں
۱۹۸	نوشاہ خاتون
۱۹۹	۱۵۰ نغمہ حیات
۲۰۰	۱۵۱ خسرو خاور
	۱۵۲ فریاد پنجاب باری
	۱۵۳ ملا شاہی باغ کا منظر
	۱۵۴ شکوہ دل پی لیا
	غزل

۲۰۰

۲۰۱

۲۰۲

۲۰۳

۲۰۴

۲۰۵

۲۰۸

۲۱۰

۲۱۰

۲۱۲

۲۱۳

۲۱۴

۲۱۶

۲۱۸

۲۱۹

۲۲۰

۲۲۱

۲۲۱

۲۲۲

۲۲۳

۲۲۵

۲۲۶

۲۲۷

۲۲۸

۲۳۰

۲۳۰

دیباچہ سہمی

مرقع سخن کی پہلی دو جلدوں کی اشاعت کے بعد سے ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ جامعہ عثمانیہ کے فلاح و تحصيل شعرا کے کلام کا انتخاب بھی اسی طرز پر پیش کیا جائے۔ چنانچہ دو سالانہ مشیر مولوی سید محمد صاحب لکچرار روہی کالج نے یہ کام اپنی نگرانی میں مولوی ہمدی حسن صاحب (عثمانیہ) سے شروع کرا دیا تھا۔ بعد کو ادارہ ادبیات اردو کی خوش پر یہ تمام مواد مولوی سید عین الدین صاحب قریشی اور مولوی عبدالقیوم خاں صاحب باقی کے سپرد کر دیا گیا تاکہ یہ دونوں اصحاب اسے نظر ثانی کریں اور جلد سے جلد اشاعت کے قابل بنائیں۔ اس نظر ثانی نے کام کی اصل سکیم میں کچھ تبدیلی کی ضرورت محسوس کی۔ چنانچہ ہر شاعر کے حالات زندگی سے متعلق پہلے جو نوٹ لکھے گئے تھے ان کی جگہ اب دوسرے نوٹ مرتب کیے گئے جن میں حالات کی جگہ خصوصیات کلام پر زور دیا گیا ہے۔ ان نوٹس کی تیاری کلام کے انتخاب، ترتیب اور ضروری سلاست کا کام اگرچہ قریشی اور باقی صاحبان نے باہم اشتراک عمل کے ساتھ کیا ہے۔ لیکن عملی طور پر باقی صاحب نے اس کی تکمیل میں خاص زحمت اٹھائی اور ابتدائی تقریب بھی انہی کی لکھی ہوئی ہے۔

اس مجموعہ کے لیے اگرچہ شعرا کے انتخاب میں معیار کو ملحوظ رکھا گیا ہے لیکن اس کا امکان ہے کہ بعض ایسے شاعر رہ گئے ہوں جنہیں اس تذکرہ میں شریک کیا جاسکتا تھا۔ جو نظمیں شامل ہیں وہ زیادہ تر خود شعرا کی منتخب کی ہوئی ہیں۔ یا جن کی ترتیب میں مرتبین نے اپنے انتخاب کے ساتھ ان کی لئے کو بھی ملحوظ رکھا ہے بعض شعرا مثلاً ”وجد“ برقی اور مخدوم وغیرہ نے خود ہی اپنے کلام کا پورا پورا انتخاب روا کیا اور ان کی خواہش کے مطابق مرتبین نے اس میں اپنی طرف سے کوئی کمی یا اضافہ نہیں کیا ہے۔

ہر شاعر کے کلام میں سے اوسطاً دس نظمیں اور پانچ غزلیں پیش کی گئی ہیں تاکہ ہر ایک کے دل و دماغ اور خصوصیات کلام کا کافی اندازہ ہو سکے نظموں اور غزلوں میں اگر کوئی عقائد نظر ثانی کے محتاج تھے تو ان کو یا حذف کر دیا گیا ہے یا خود مصنف کی ذمہ داری

چھوڑ دیا گیا ہے۔ البتہ کہیں کہیں طویل نظموں یا غزلوں کے اقتباس لینے میں مرتبین نے اپنے حق انتخاب سے کام لیا ہے۔

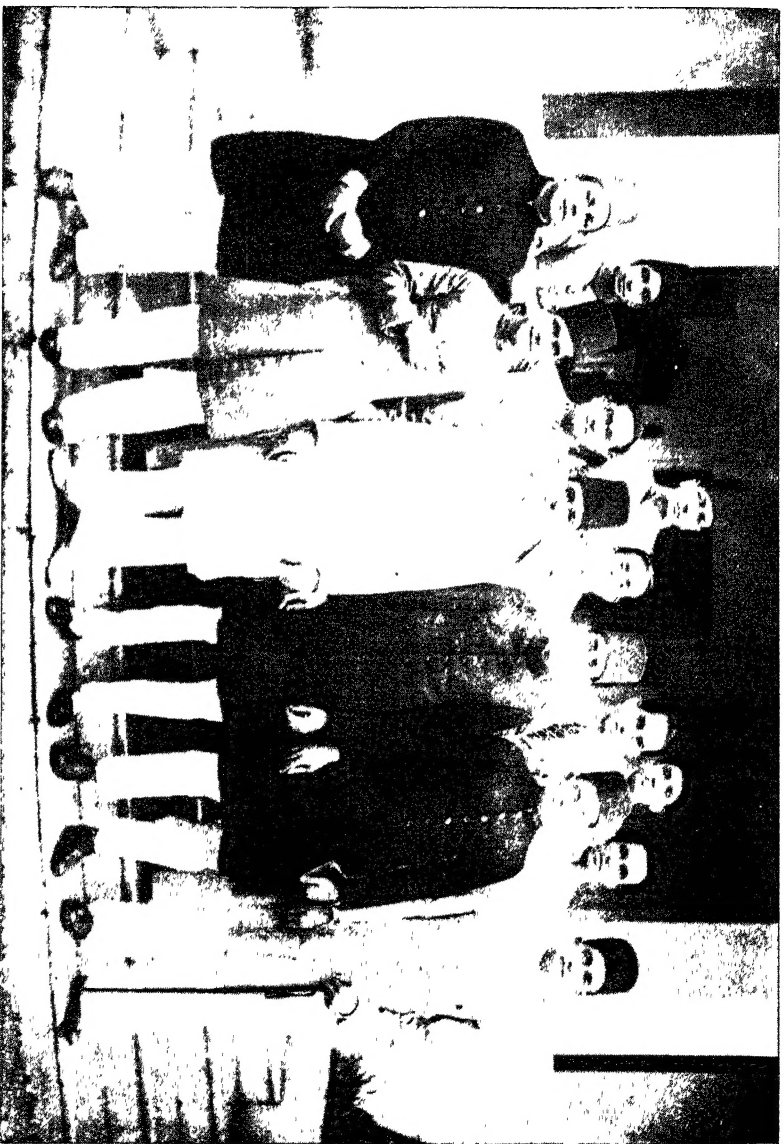
اس مجموعہ میں مطبوعہ اور غیر مطبوعہ دونوں طرح کا کلام شامل ہے۔ جن شعرا کا کلام پیش کیا گیا ہے ان میں بعض مثلاً امیر شمیم اور میکیش وغیرہ کے تو مجموعے بھی شائع ہو چکے ہیں اور بعض ایسے بھی ہیں مثلاً میر حسن الدین رشیدی ڈاکٹر تہار اور اکبر وفا قانی وغیرہ جنہوں نے راقم الحروف کی طرح اپنی دوسری مصروفیتوں کی وجہ سے شعر گوئی کم کر دی یا چھوڑ دی ہے لیکن شاعر کی حیثیت یا تخلص کی وجہ سے شہرت حاصل کر چکے ہیں۔ یہ امر بھی قابلِ اظہار ہے کہ طبعی انجمن یا عثمانیہ طلبہ قادیان کے ساتھ ساتھ دو عثمانی خواتین کو بھی اس انتخاب میں شامل کیا گیا ہے اور چونکہ وہ ایک شعر نے اپنا کلام دیر سے روانہ کیا اس لیے افسوس ہے کہ حروفِ تہجی کی ترتیب باقی نہ رہ سکی۔

یہ انتخاب جیسا کہ اس کی تقریب میں لکھا گیا ہے ایک قسم کی ادبی یادداشت ہے اور اس میں کافی گنجائش ہے کہ بعد میں کام کرنے والے دوسرے ایڈیشن میں اضافہ کریں۔ یہ سلسلہ جامعہ عثمانیہ کے ساتھ ساتھ جاری رہے گا۔ نئے شاعر پیدا ہوتے رہیں گے اور شعرائے عثمانیہ کا نام قائم رکھیں گے۔

ادارہ ادبیات اردو کی خواہش تھی کہ اس مجموعہ میں حمد شعرا ایک جگہ نظر آسکیں چنانچہ اسی خیال سے ۲۰ رجب ۱۴۱۸ کو ایک مشاعرہ منعقد کیا گیا اور سب کو تاریخ مقررہ سے بہت قبل ہی اس میں شرکت کی دعوت دی گئی۔ اس اہتمام کے باوجود افسوس ہے کہ بعض شعرا شراب نہ ہو سکے۔ اس لیے مجبوراً انہی اصحاب کا گروپ فوٹو شراب کر دیا گیا جنہوں نے شرکت کی رحمت گوارہ کی۔

سید محی الدین قادری زور

کیم آذر ۱۳۹۹ء



۱- ایشک - ۲- ذکی - ۳- قریشی - ۴- زور - ۵- اکبر - ۶- رشیدی
 ۷- محمدم - ۸- وجد - ۹- رگهوندن راج سکسینه - ۱۰- باقی
 ۱۱- مهبد ر راج سکسینه - ۱۲- شکیب - ۱۳- میکش
 پہلی صف
 دوسری صف
 تیسری صف

تقریب

جامعہ عثمانیہ کو قائم ہوئے تقریباً پچیس سال کا عرصہ ہوتا ہے۔ اس مدت میں فرزندانِ جامعہ نے جو کچھ علمی خدمتیں انجام دیں وہ مختلف ذریعوں سے منظرِ عام پر آچکی ہیں۔ لیکن اس امر کی بھی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ جامعہ فارغ التحصیل شاعروں کے کلام کا ایک مختصر انتخاب شائع کیا جائے تاکہ شعری دنیا میں ان کی کوششوں کا ایک اجتماعی اندازہ ہو سکے۔ اس مجموعے کو جو سامنے ہے کسی قسم کی خود نمائی نہ سمجھنا چاہئے بلکہ یہ عثمانی شعرا کے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ منتخب کلام کی ایک ادبی یادداشت اور شیرازہ بندی ہے۔

جامعہ عثمانیہ کے متعلق بارہا کہا جا چکا ہے کہ اس نے مادری زبان کو ذریعہ تعلیم قرار دیکر جدتِ فکر و نظر کی ترویج کھول دی۔ جدتِ فکر کا ایک اندازہ شعر و سخن کے مطالعے کے ذریعہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس روشنی میں اگر آپ ہمارے شاعروں کا کلام کسی قدر ہمدردی کے ساتھ دیکھینگے تو یہ محسوس ہوگا کہ آپ ایک ایسی قوم کے سامنے کھڑے ہوئے ہیں جو عہدِ اضطراب میں زبان اور ادب کی بدلنے والی قوتوں کے ساتھ جنگ کرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ یہ قوم پورے طور پر ان قوتوں سے ہم آہنگ بھی نہیں ہونا چاہتی بلکہ ان کے درمیان اپنا ایک راستہ نکالنے کی کوشش کرتی ہے۔ یہی وہ کوشش ہے جو آپ عثمانیہ شاعری میں سب سے پہلے شامل اور داخل پائیگی، اور اپنے انداز میں لکھنے اور سوچنے کی شاید ہی وہ صلاحیت ہے جس نے ادارہ ادبیاتِ اردو کو جامعہ کی شعری پیداوار کا ایک انتخاب شائع کرنے پر آمادہ کیا ہے۔

جہاں تک عثمانی شعرا کی نظر اور عام خیال کا تعلق ہے اتنا کہنا کافی ہوگا کہ ان کی ذہنی دولت علومِ قدیم اور جدید کے ایک اتحاد سے پیدا ہوئی ہے اور اسی دولت کا طفیل ہے کہ وہ جدید آرٹ اور لٹریچر کے بعض پہلوؤں کو علم اور شعر کی روشنی میں لانے کے قابل ہو سکے۔ انھیں موقع ملا کہ وہ قدرت اور اس کے حُسن سے متعلق جسے انھوں نے کچھا

سوجھا اور محسوس کیا ہے کچھ لکھیں۔ وہُجُط وُطن اور ذوقِ تیانخ کے اس جذبے کو نمایاں کر سکے جو ہر عثمانیہ کا بیدارشی حق سمجھا جاتا ہے۔ وہ کچھ اپنے گیت بھی گا سکے جس میں محبت، حُسن اور غم کی کہانی تھی۔ اس نرنگ میں جہاں ہو سکا انہوں نے تقلیدی قوت کو اپنے آپ پر مسلط نہیں ہونے دیا، اور بڑے شاعروں کے کلام اور جادو کے ہوتے ہوئے انہوں نے اس ذہنی دباؤ کا مقابلہ کیا جو عام طور پر سوچنے والے دماغ پر پڑتا اور تازہ ادب پیدا کرنے میں سنگریں ثابت ہوتا ہے۔

اس مجموعے میں آپ شاید یہ بھی محسوس کریں کہ جن شاعروں کا کلام آپ پڑھ رہے ہیں وہ شباب کی ایسی ذہنی قوتوں کی آغوش میں ہیں جو اپنی آتشیں رفتار میں زندگی کے بعض تاریک پہلوؤں سے دب نہیں جاتیں۔ ان نوجوانوں میں آپ شعری رسائی کی وہ سروِ تجربہ کارانہ اور محتاط طرزِ ادا نہیں دیکھینگے جسے بزرگانِ قوم فخر اور کامیابی کے ساتھ شعری فنکاری کا آلہ بناتے ہیں۔ یہاں آپ کو جذباتِ شباب کا ایک ہیجان اور برہمگی ہوئی انگلیوں کا ایک جوش نظر آئے گا۔

ایک اور بات قابلِ ذکر ہے۔ وہ یہ کہ ان نغمہ سراؤں کا شعری سرمایہ مختلف موضوعات اور طرزِ سخن کوئی پر مبنی ہے، لیکن اس کے پس پردہ آپ کو یہ بھی محسوس ہوگا کہ یہ ایک ہی ماحول کی پیداوار معلوم ہوتے ہیں اور ان کے گیتوں میں تقریباً ایک ہی روح جاری و ساری ہے۔

یہ ہم آہنگی ادب کی دنیا میں شاید ایک قسم کا امتیازِ مقصور ہو اور مجموعہ ہذا کے پیش کرنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ تنوعِ خیال کے ساتھ ساتھ ذوقِ سخن کی ہم رنگی بھی منظرِ عام پر آجائے۔ ایک طرف ہر شاعر کے تعارف میں اسکی نظمیں اور ان پر نوٹ ہیں، دوسری طرف انکا مجموعی کلام ہے۔ اب ناظر پر موقوف ہے کہ وہ اس شعری نغمہ کا بھی لطف اٹھائے جو اس کی آنکھوں کے سامنے ہے اور ان چشموں کو بھی دیکھے جو مختلف سمتوں سے آکر ایک جگہ ملتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

آرام۔ قاضی غلام احمد شریف

[خوش خیال ہنسنے ہنسانے والے انسان، لیکن اس ہنسی کے پیچھے ایک چوٹ کھایا ہوا دل رکھتے ہیں۔ دنیا کی قدامت پر نظر ہے، جذبات مذہبی رنگ سے رنگین، خیال مذہب کی روحانی فضا میں مدہوش، کلام میں غمگی کے آثار ہیں، بے تکلف لکھتے ہیں اور جہاں کافلم زندگی گہرے تار چھیڑتا ہے لطف آجاتا ہے۔ ہر صنف سخن میں مشق رکھتے ہیں۔ غزل، نظم اور رباعی الگ خاص میدان ہیں۔ ”فریبستی“ اور ”گھڑی“ میں آرام نے دلوں پر اچھی چوٹ لگائی ہے]

فریبستی

ارمان ہائے دل کے مقابل ہو جانِ
دستِ جناسے دامنِ حسرتِ تازنار
جب لہلہ ہوں میں اپنے متنار ہے کوئی
تا چند رنجِ دوری مقصد ہے کوئی
نومیدیاں ہیں روز بہ مد نظر ہے وصل
بھل لائے یا نہ لائے کسی دوستی کا نخل
لگجائے ہاتھ جس کے درِ گنج بیکسی
بارِ وجود بھی ہے محبت کا بوجھ بھی
دُورِ خوشی ہے گم سرِ گردابِ زندگی
امید ہے حرارتِ سیما ب زندگی

دنیا کے کشمکش کی کوئی انتہا بھی ہے
منزلِ کہسوں کہیں تیرا تہ بھی ہے؟
جانِ حزن کو وقفِ مصیبت ہی لیں
تدبیر پر اڑیں کہ مقدر کو مان لیں
نا کامیاں ہیں اور متنائے جستجو
وہ سخت جاں ہوں گے دھچک پڑنے آرزو
پھر وہ غلام کیوں ہو کسی احتیاج کا
انسان غم کا بندہ ہی یا تختِ تاج کا؟
تدبیر ہے اسیرِ مقدر کے جال میں
پوشیدہ ہے سکونِ غمِ لازوال میں

ہم مست تھے ہر کنجِ عدم ہو کتنا بہشت
باتوں میں غم کی بھول گئے ساری گشت
حسنِ ادا فریب کی صورت سربِ دہر
سرشتہ کیا معمہ ہے یہ انقلابِ دہر
کیا ہو سلوکِ ہستی ناکام کا گلہ
آرام، ماسوا سے نہ پائے گا تو صلہ
لائی ہیں خود مانیایاں کیوں نام دید پر
بھرا خوشی کو یاد کریں کس اُمید پر؟
دو حیات میں بھی ہے کچھ آسمان کی چال
کھلتا نہیں چہ زیت کی نیرنگیوں کا حال
اُس سبب کہیں کے بھی یاد نہیں رہے
کیوں آستانِ غیر پہ تیری جہیں رہے؟

چراغ

سورج غروب کے جو کچھ دیر ہو گئی
تاروں کی چھانچھی میں کیا فائدہ اٹھاؤ؟
آندھری ایسے وقت میں تیری خوش آمدی
میرے اندھیر گھر کے اُجالے رفیقِ شب
دنیا ہماری آنکھوں میں اندھیر ہو گئی
یہ تو وہ وقت ہے کہ نہ دے ساتھ اپنی چھاؤ
مانندِ صبحِ عید ہے تیری برآمدی
بختِ سیاہ چشمِ منور ترے سبب
دیوار و در کی شان تری روشنی سے ہے

روشنِ مرا جہاں تری روشنی سے ہے

روشن ہو تو جہاں کوئی ظلمت نہ آسکے
تجھ سے ہر اک اکیلے کا دل باغِ باغ ہو
گم کردہ راہ کے لئے تو خصمِ راہ ہے
تو ہے نظامِ شمس کے جیسا کوئی نظام
صورتِ نہ اپنی کوئی سیہ رو دکھا سکے
محفل کو کون پوچھے جو وہ بے چراغ ہو
بستی کے حال چال کا سپکا گواہ ہے
اہلِ نظر کا ہے جو ترے گرد اثرِ دھام

ہر طرح تو نے رات کو بھی دن بنا دیا

اعجازِ آفتاب کی صورت دکھایا

دو شعر

اے شکلِ دلنوازِ نسیا بخش، نورِ پاش !
 یہ جلوہ یہ جمال کہاں سے ملا تجھے؟
 میری نظر کو تیری حقیقت کی ہے تلاش
 یہ کس طرح پائی شعلہ رخی، گرمی حیات
 اپنی زبانِ تری سے غنائِ تری و اردات
 پوشیدہ راہِ تری، ہنساؤں سے تو؟
 قوت وہ کونسی ہے فروزاں جس سے تو؟

کیا تو بھی اک ولی ہے کہ روشن ہے جس قلب
 روشن نگاہ جس کی چراغِ ثبوت و سلب

تو بھی کسی کے غم سے یہ تپتا ہے رات بھر
 ہے خاکِ پالِ دست سے تیرا خمیر بھی
 ہے محو یاد تو بھی کسی بُت کا تاحِ سر
 تو ہے ہوئے وصل سے روشن ضمیر بھی
 سوزِ دروں بھی تجھ میں موجود گر یہ بھی
 تو جانے کس سبب سے لگا ہوا ہے لو
 سماعِ ازل کی یاد کا سامانِ تجھ میں ہے
 سوز و گدازِ عشق کا طوفانِ تجھ میں ہے

ہے آفتابِ حُسنِ حقیقی کی تو مثال
 بیدار جلوہ ہو گئیں خوابِ بدہ خوبیاں
 جس میں جلال بھی ہے سرِ ابروہ جمال
 کہنے کہ ذاتِ اپنی صفت میں ہوئی عیاں
 تو ایسی نار ہے کہ تیرا سایہ نور ہے
 میں تجھ کو سمجھوں غرضِ پر نورِ حور کا
 ہر آن نور و ناز کا تجھ سے ظہور ہے
 یا شاہِ جمالِ تجلی، طور کا

پروانہ چمکا تیری محبت کے داغ سے
 گویا چراغ ہو گیا روشن چراغ سے
 اے پیکرِ جمالِ حقیقی کہاں ہے تو
 ہر ذرہ آفتاب ہے تیرے ہی نور سے
 اتنا تو جانتا ہوں کہ جانِ جہاں ہے تو
 ہر قلب کائنات ہے تیرے ظہور سے
 اس پر بھی میرے سینے کا ٹٹا نہیں ہے داغ
 ہر جذبہ آفتاب ہے بے پردہ جلوہ گر
 بے تیرے جلوہ کے مری ہستی ہے بے چراغ
 تابِ نظارہ لا نہیں سکتی ہر اک نظر
 دے نور سے فروغِ جلا دل کو نارسے
 اپنا بنا کے رکھ مجھے ہر اعتبار سے!

گھڑی اور اسکی بیداری

وابستہ تری جان ہے کس جانِ جہاں سے
 کیا زندہ دلی پائی ہے تو نے بھی کہ ہر دم
 میدانِ مسلح پہ کوئی سیلِ رواں ہے
 مستانِ روش ایسی کہ اک جھومتا ہاتھی
 انسان کا دل آگیا پہلو میں کہاں سے
 جو بیرِ متانت میں ہے چستی میں جواں ہے
 یا چھپرے بیکتارہ کے رنگین نوا کی
 یا نبضِ جوانوں کی جو ہے قفس میں ہر دم
 بے تابی یہ تیری تجھے سیما کہوں میں
 ہر ایک کو ہے تیری صدا سمعہ افروز
 ہے نظمِ عمل تجھ میں چڑھی تیری کمان سے
 محفل ہو کوئی گرم کہ تنہائی کا عالم
 تو وقت پہ ہر ایک کی ہے مونس و ہدم
 وابستہ ترے وقت سے کارِ دو جہاں ہے
 تو وقت پہ ہر ایک کی ہے مونس و ہدم

بیدار کوئی ہو کہ نہ ہو تو تو ہے بیدار
ہر لحظہ فرائض کی ادائی میں ہے سرشار
پابندی اوقات کا ساماں تجھے وافر
اوروں کو بھی بیدار بنانے میں نگہدار
اپنی ہی تنگ و تاز میں سرگرم لگاتا رہا
منزل پہ پہنچ کر بھی کمر بستہ مسافر

دنیا میں اسی طرح ہر انسان گزارے
رُک جائے تو رک جائے جو چل جا تو چل جائے
منزل پہ بھی کتنی کبھی ہو جائے نہ صادر
کانٹوں پہ بھی آرام سے گزران گزارے
جو دل میں ہو منہ بھی وہی صاف نکل جائے
اتنا تو ارادوں میں رہے آدمی قادر!

دو شعر

ہاں کتنی ہے مرغوبِ طبیعت تری لے بھی
یہ تیری تڑپ تیری حقیقت کا سراپا
ہے اسمِ حقیقی کے تجھے ذکر کا چمکا
دن رات اسی ذکر سے ہے تجھ کو سرکار
بیدار ہو کوئی کہ نہ ہو اس کی نہیں فکر
وہن تیری بڑے وجد کا سامانِ دل ویز
صحبت تری غافل کو بھی بیدار بنا دے
ہے جذبِ سلوک ایسا تری بزمِ طرب
دم سے ترے ہے تارِ نفس میرا ہم آہنگ
کیا شیشہ دل میں ہے ترے عشق کی مے بھی!
ہر تیری کشش عشق و محبت کا خلاصا
جو کام ہے تیرا نہیں ہر ایک کے بس کا
مکمل نہیں ٹو لے کبھی از خود یہ ترا تار
دنیا ہوئی غافل ترا چھوٹا نہ کبھی ذکر
ہر ضرب تری تو سنِ دل کے لئے ہمیز
اسمِ حقیقت کا طلب گار بنا دے
ہو بیت کی صدا کو سختی ہے گوشِ طلب میں
وہ بزمِ بھلی جس میں کہ ہوں جمع سب کزنگ

دم سے ترے آتا ہے سبق بھولا ہوا یاد
مقصود بھی ہے اک دونوں کا مقصود بھی ہے
معلوم ہوا دونوں کی ہے ایک ہی نسیا و
دونوں کے دلوں میں ہی موجود بھی ہے ایک

اے دلی گھڑی کیوں نہ سمجھے بھی میں دکھوں
رکنا یہ بگڑنا ہے ترا ایک قیامت
بیکار نہ جائے نفسِ سافل و عسالی
ہیں کان تو ہر وقت ترا ساز سنوں میں
کچھ صاف کراؤں سمجھے اور وقت ملا لوں
بے وقتوں کو ہر طرح کی ہوتی ہے ندامت
تجھ سے نہ رہے حبیبِ مکریم کا کمالی
دھیمی سے بھی دھیمی تری آواز سنوں میں!

یارانِ رفتہ کی یاد میں

نہ پوچھ اے ہم نفسِ بربادی دل کا سبب ہم
پتہ شاید چلے سوزِ نہاں کا درِ پیہم سے
کہ فرصت بات کرنے کی نہیں سخی پیہم سے
سکوتِ لبتِ آہِ سوز سے یا پیہمِ پیہم سے
تڑپ سے نبضِ جاں یاد طرکتے دلتے اقم سے

سکوتِ زندگی اک پل میں جبِ وقتِ تلاطم ہو
سرگردابِ غم جبِ مطمئنِ دل کی خوشی گم ہو
نہ پھر کیوں موجِ طوفانی گلِ تر کا تبسم ہو
شبِ دیوچور سے بڑھ کر فضا ہے بزمِ انجم ہو
گھٹا چھاتی ہے ابرِ تیرہ کی دردِ تب غم سے

محبت ہے وہ گلِ پہلو میں جس کے خارِ وقت ہے
بچھڑا دوست کا طوفانِ فضا ہے مرگِ حشر ہے
محبت اک نہ اک دن موجبِ بچ و مصیبت ہے
تنتاؤں کی دنیا کا اجرِ جانا قیامت ہے

یہ چنگاری ہے وہ جو کم نہیں سوزِ جہنم سے
ہزاروں ملنے والوں میں کوئی اک دلے ملتا ہے
ہر اسان یوں ہر اک ناقص و کامل سے ملتا ہے

جسے کہتے ہیں مخلص دوست وہ مشکل سے ملتا ہے
 یہی گم ہونو کیا فریادِ لاحاصل سے ملتا ہے
 جگر کا زخم بھرتا ہے کہاں ہوں گے مرہم سے
 بھلا دیتا ہے صد لطف اک سوزِ غمِ نہاں
 مٹا دیتی ہے بس اک ٹیسرل کی ان گنتِ خوشیاں
 کبھی ہوتا ہے وجہ رنج ہر اک عیش کا ساں
 کبھی گریاں بنا کر چھوڑ دیتا ہے دلِ خنداں
 کبھی بیکار ہو جاتا ہے جینا ایک ہی غم سے
 ہنسی ممکن مگر مہربان پر رونا نہیں آتا
 خوشی سے کوئی دنیا میں کسی کا غم نہیں کھاتا
 نہو دل خون جب تک اشکِ رنگِ خون نہیں لانا
 جو غم ہو جان لیوا، جان لے کر بھی نہیں جاتا
 جگر کی آگ کچھ ہوتی ہے ٹھنڈی شک پیہم سے
 خوشی کیا صاحبِ کوٹلی دولت پہ گردِ دولت
 مگر کم مایہ لٹ جائے تو ہے جائے غم و حسرت
 بجھے شمعِ فروزاں جب بھی اُس کی منزلِ حُسن
 مگر ہے اہلِ محفل کے لئے اندھیر کی صورت
 جگر جھپٹی ہے کن داغوں کیوں پوچھے کوئی ہم

رباعیات

دلِ عرضِ طلب کا منتہی ہے ضرور
 لیکن کہیں اظہار نہ بن جا قصور
 ہے جراتِ موسوی مرئی حالتِ زار
 اے مرکزِ نور و نارِ پیمِ جلوہ طور

ہر روپ میں ہے جلوہ نما حُسن و جمال
 لیکن ہے یہ سب تخیلِ شانِ ظہور
 ہر رنگ میں ہے کرشمہ زادِ دولت و مال
 صانع کی صفت ہی تو ہے صنعتِ کمال

کونین کے جلوے میں ضیا کس کی ہے؟ قدرت جزو کل میں رونا کس کی ہے؟
یہ بھی جو تری مدح نہیں ہے مولا توصیف میں ہر شے کی ثنا کس کی ہے؟

تخلیق کی جا اور وہ مدوح ہیں آپ جو منظر قدوس ہیں سُبح ہاں آپ
ہے آیہ لَوْلَاک کی تفسیر یہی ہر پیکر ہستی کے لئے رُوح ہاں آپ

ممکن کہ ہوں زردارِ حُسنِ فرجام ہے بات جو بے زر کا بھی ہونیکا انجام
ناوار بھی بے زباں بھی تشبہ بھی ہیں دکھیں ہیں ساقی کوئی کیونکر دے جام

دنیا ہے مریدِ مال ہے تو سب کچھ خلقت ہے فدا جمال ہے تو سب کچھ
دونوں بھی نہوں تو سیکھ انسانِ کمال انسان میں کچھ کمال ہے تو سب کچھ

اللہ نے دی ہے جنھیں اپنی نعمت کچھ خرچ سے گھٹتی نہیں ایسی لت
قسمت والے کو دینے والے دانا دینا تو مجھے کہ میں اُک لے قسمت

مانا کہ وہی ہیں منزلت والوں میں ہے جن کا شمار معرفت والوں میں
میری تو ہے عرضِ چشمِ ساقی سے ہی رہنے دو مجھے وید کے متوالوں میں

اسدِ طلبی ہے مری ہستی کی ترنگ
لیکن نہ جی ہنوز کیرنگی رنگ
اے دل کے مکس، دل کو بنائے ایسا
جو قصرِ محبت کا ہو بنیادی سنگ
بیریز نہ ہو دل کا یہ کاسا کبتک؟
امید کی صورت ہو دلاسا کبتک؟
آرام کوئی تشنہ لبی کی حد بھی
یارب لبِ دریا ہوں پیاسا کبتک؟

غزل

سوا و دل کو نگیں دل کی آرزو نے کیا
ادھر جو بزم میں رُخ بے نقاب تو نے کیا
کسی کو کچھ بھی خبر تھی نہ میری حالت کی
سلوک مجھ سے یہ میری ہی گفتگو نے کیا
شمارِ ظلم! کہ لکھ کر تو کچھ رکھا ہی نہیں
کیا کچھ آپ نے، کچھ چرخِ کینہ جو نے کیا
کیا تلاش اسے اور سب کو کھو بیٹھا
عجیب کام ہماری ہی جستجو نے کیا
یہ شوخیاں بھی کوئی شوخیاں ہیں او ظالم
منایا ہم نے تو انکار اور تو نے کیا
تباہ دیکھا اسے جس میں خوبیاں دیکھیں
کیا جو بچھو لوں کو رباد رنگ و لونے کیا
یہاں یقین کہ ہم بے قصور ہیں اب تک
وہاں یہ ضد ہے کہ جو کچھ کیا سو تو نے کیا

بگاڑیوں تو مفد رکا تھا مگر آرام
خراب تجھ کو ترے لطفِ آرزو نے کیا

اشک - محمد جدال الدین - بی۔ ا۔ ال۔ ال۔ بی (عثمانیہ)

[مخلص کی طرح مزاج بھی نرم و نازک پایا ہے۔ فطرت کے انمول خزانوں سے لٹا اور جس کے موتی چننے پھرتے ہیں۔ نطفیں کیا ہیں حرم فطرت کی رنگین آوازیں ہیں۔ ان آوازوں کو سنا اور ان نصورات میں گم ہو جاؤ جو ان کے قریب میں۔ درد اور احساس ان کی زندگی ہے۔ جس طرح پھول کو قدرت کی ایک لاٹلی سمجھتے ہیں اسی طرح بعض وقت انسان کو بھی ایک نازک چیز سمجھ کے آنسو بہاتے ہیں۔ قوم ان کے نزدیک قدرت کا ایک کھلونہ ہے اللہ میاں کی بستی میں وہ کبھی شک اور کبھی عقیدت کے پھول لئے ہوئے آگے بڑھتے ہیں یقین نہیں ہوتا کہ کس منزل پر یہ راز کھلتا اور کیا پیغام سناتا ہے۔ سلطانہ رضیہ برسات، گوند شہزادہ اور نعمۂ رنگین میں اشک کے دل کی آواز خوب اتر کر رہی ہے۔]

فطرت اور زندگی

جھکڑا تھے تیز و تند ہوائے شمال کے
گم ہو گئے تھے ہوش ہوائے خیال کے
ٹکڑے سے اڑ رہے تھے ردِ اجال کے
ظلمت و گھبراہٹ تھی کرشمے جمال کے

ابریسیاہ فام سے تاریک تھی فضا
زہرہ تھا آب آب کرک سن کے رعد کی
پانی کا زور و شور غضب کا بلا کا خفا
البتہ برق نور فلک تھی کبھی کبھی

فطرت دکھا رہی ہے تماشا اے زندگی کر غور نہ کہ تجھ کو نظر آئے زندگی

دنیا فضا ہے ابرسیہ نامرادیاں جھکڑیہ تیز و تند نہیں آہ سر دے
یہ رعد کی کڑک ہے صدا انقلاب کی عزم ثبات جس کے مقابل میں گر دے
بینہ کا و فور ویدہ ترکا ہے جوش اشک لمعان برق عشق و محبت کا در دے

نغمہ

زخمہ تارِ بابِ ہستی موجِ بادہ کیفِ مستی
شورشِ فتنہ محشر تجھ میں تابشِ روئے شکر تجھ میں
بحرِ ہستی میں طوفاں تیرا طور رہتا ہے فوزاں تیرا
لذتِ سوزِ درونِ تجھ سے دلِ مضطرب میں سکونِ تجھ سے
سازِ الفت میں ترنمِ تجھ سے باغِ عالم میں تبسمِ تجھ سے
غنجے کھلتے ہیں صدا تیری طورِ جلتے ہیں ندا سے تیری
گوہرِ اشکِ صلہ ہے تیرا شاہ بھی ایک گدا ہے تیرا
آہِ خاموش جہاں جو جسم ظلمتِ شب میں نہاں جو جسم
ہائے اسوقت ترا کیفِ وجود درد مندوں کا ہے تنہا مقصود
روحِ انسا میں ساری تو ہے آیہ رحمتِ باری تو ہے

تو نہ ہوتا تو جہاں نفاہِ خراب
گوہرِ اشک نہ ہوتے نایاب

تیزی

ساحۂ گوشہ گلشن میں پرافشاں میں ہوں
مائیہ ناز چین رُوحِ کلبِ ستاں میں ہوں
موجِ رنگ ہوں گلزارِ بداماں میں ہوں
چشمہ نور کی اک موجِ درخشاں میں ہوں
دمِ قدم سے مرے گلشن میں بہا آئی ہے
حسنِ رنگیں کو مرے دعوئے کی تائی ہے
دوش پر بادِ صبا کے میاں اڑا کرتی ہوں
خُم کے خمِ بادۂ فطرت کے پیا کرتی ہوں
منہ کو غنچوں کے کبھی چوم لیا کرتی ہوں
نالہ بلبیلِ شیدا بھی سنا کرتی ہوں
حسنِ فطرت کا کرشمہ ہے یہ ہستی میری
کتنی پر کیف ہے گلزارِ پرستی میری
صبحِ مہربا کہ شعاعوں کے ہوزِ پاشِ فضا
نکھتِ گل سے گرا نبار ہوا موجِ صبا
نونا لالانِ چین جھوم رہے ہوں ہر جا
بچھڑوں کا ہو پرندوں کے بھی اک شورِ جا
کوئی اسوقت مرا جب لوہِ فضا کی کھچے
گل و گلزار کو انگشتِ بندناں دیکھے

فتنہ خوابید سے

اے روشنی دیدہ صاحبِ نظر! اٹھ
اے مائیہ بیباکیِ خونیں جگراں اٹھ
اے رشکِ قمر رشکِ حینانِ جہاں اٹھ
اے باعثِ ہنگامہ انقضا سہراں اٹھ

از خوابِ گراں خوابِ گراں خوابِ گراں خیز

از خوابِ گراں خیز

ہنسیار ہواب رنگ بدلنے کو ہے عالم اٹھ دیکھ نظر آنے لگا تیرا عظم
بھیلا ہوا کرنوں کا زمانہ یہ ہے پرچم ہاں رات کی وہ بزم ہوئی درہم و برہم

از خوابِ گراں خوابِ گراں خوابِ گراں خیز

از خوابِ گراں خیز

سونے کا نہیں وقت یہ اسر و خراماں کیوں بند کئے لیتا ہے تو زنگس فشاں
اٹھ اٹھ کہ چکنے لگا خورشیدِ درخشاں اٹھ اٹھ کہ منور ہوئے گلزار و بیاباں

از خوابِ گراں خوابِ گراں خوابِ گراں خیز

از خوابِ گراں خیز

نظمِ رنگین

[ذیل کی نظم میں ایک حینِ دوشیزہ کے اولین تاثراتِ محبت کو پیش کیا گیا ہے۔ اشک]

وہ بلا تھے ہیں میں انکار کروں یا نہ کروں
سوچتی ہوں کہ انھیں پیار کروں یا نہ کروں
وہ بکھتے ہیں وہ مریوئے پیچاں کی طرف
ان کمندوں میں گرفتار کروں یا نہ کروں
نیم بسمل ہیں ابھی کیوں نہ بنا دوں بسمل
تینغ ابرو کے ادھر وار کروں یا نہ کروں
نذر کرتے ہیں مجھے قلبِ پُر رماں اپنا
ناوکِ ناز کو ووسار کروں یا نہ کروں
آزماؤں نہ کیوں جس کا جادو اے دل
گنجِ چشمِ فسون کا ر کروں یا نہ کروں
غمرہ ابروئے خمدار کروں یا نہ کروں
عشوہ زنگس بیمار کروں یا نہ کروں

رات دن آتشِ فرقت میں جلا کرتی ہوں
ضبط کی تاب نہیں ابلِ مضطر میں
ان شک مندے ہی چلے آتے ہیں فاقِ کنا
و امنِ صبر مرا چاک ہو جاتا ہے
سو جیتی ہوں کہ انھیں پیار کروں یا نہ کروں
جذبہ عشق کا اظہار کروں یا نہ کروں

گوند شہزادہ

[میری رائے میں گوندوں کی قوم ایک ایسی قوم ہے جو صد سال سے ہر قسم کی تہذیبوں کا بڑی کامیابی
سے مقابلہ کر رہی ہے۔ ذیل کی نظم میں
کبھی پائیکانہ نتجہ کو یہ سمجھ تہذیب
نہ تو تہذیب پسند اور نہ پسند تہذیب
تیری توصیف میں خامہ کو جو جولا کروں
سارے تہذیب کے دفتر کو پریشاں کر دوں
کوہ تیرے ہیں ترا دشت ہے صحرا تیرا
رو د گنگا میں ہماں آئینہ خانہ تیرا
نڈیاں تیری ہیں نالے ترے دریا تیرا
چار سو عالمِ فطرت میں ہے چرچا تیرا
شیر بھی کاہنتے ہیں بانگِ در اسے تیری
چیتے گھبراتے ہیں ولد و زرد اسے تیری
ہے یہ زنجیر کھسار ترا حصنِ حصیں
سامنے تیرے دختوں کا ہے حسنِ رنگیں
قلہ کوہ پہ ہوتا ہے تو اورنگ نشیں
او پھیلائے ہے گنگا بھی روداں سمیں

تیری تقدیر میں فطرت کی شہنشاہی ہے
 ساری دنیا تری مصروف ہو اخواہی ہے
 شاد و شاد و اے نازشِ نوعِ انسا
 تیری دنیا میں نہیں کرو دغا کا سماں
 تو ہے آزاد نہیں قیدی تہذیبِ جہاں
 حسن میں تیرے جگمگا ہے جمالِ یزداں
 اپنی عظمت کو خدا کے لئے برباد نہ کر
 یعنی تہذیب کا کوئی بھی سبق یاد نہ کر

نظیر اکبر آبادی

زندگی تھی تری جلی کی طرح سے بیتا
 ترے پہلو میں نہاں دل تھا مثالِ سیماب
 تری آنکھوں سے ٹپکتا تھا جگر کا خونِ ناب
 ترے ہونٹوں پہ برستا تھا مہر کا سحاب
 کبھی گلشنِ تر ابر بادِ خنراں ہوتا تھا
 کبھی ویرانہ تر از شکستِ جہان ہوتا تھا
 کبھی جنگل میں پھر عاشقِ لیلیٰ بن کر
 کبھی گلشن میں رہا بلبلِ شیدا بن کر
 شرِ طور کو دیکھا کبھی موسیٰ بن کر
 کبھی افتادہ رہا نقشِ کفِ پابن کر
 ہم نے اس شان کا کوئی نہ قلند دیکھا
 دل مضطر کو ترے مثلِ سمندر دیکھا

تو ہی تھا ایک یہاں محرمِ رازِ فطرت
 مرقعِ نقشِ تھا ترے مہراب سے سازِ فطرت
 تو ہی آواز میں تھا سوز و گدازِ فطرت
 ناز میں تیرے تھا پوشیدہ نیازِ فطرت

جَبَّارِ دُہِ فطرت کے اٹھانے والے
مرحبا چیر کے دل اپنا دکھانے والے

سُلطانہ رضیہ میدانِ جنگ میں

آخری لڑائی

ہاتھ میں تیرکماں اور کمر میں تلوار
زیرِ راں اسپ بکسیر و صرصر رفتار
دوش پر زلفِ سیہ گوش میں دُرِ شہوار
تمتائے ہوئے گرمی سے وہ دونوں خسار

آج میدان میں رضیہ کی سپہ داری ہے

کچھ انوکھی یہ زمانہ سے طرح داری ہے

گرد آلودہ جبین ہونٹوں پہ آہِ سوزاں
دولتِ حسن پہ اپنے جو کبھی تھی نازاں
اثرِ نِخ و الم دیدہ گریاں سے عیاں
آج میدان میں آئی ہے وہ نالا گریاں

بیچِ تقدیر کا ہے گیسوئے پر بیچ اسے

کامِ دنیا کے نظر آتے ہیں سب بیچ اسے

آہ بگڑی نظر آتی ہے زمانہ کی ہوا
کل و فداوار تھے جو آج وہ دیتے ہیں غا
اپنی ہی فوج کے سردار ہیں سرگرم جفا
لٹ رہی ہے سر بازار جہاں جنسِ وفا

ظلمتِ یاس کی چھبائی ہیں گھٹائیں سر پر

کس غضب کی ہوئی نازل ہیں بلائیں سر پر

یاسِ انگیز زمانہ کی ہے حالت کیسی
سر پہ رضیہ کے ہے آئی ہوئی آفت کیسی
آنکھ بھپکاتے پلٹ جاتی ہے قیمت کیسی
اس کی صورت سے عیاں ہے حسرت کیسی

جو وفادار تھے غدار نظر آتے ہیں
تختِ شاہی کے طلبکار نظر آتے ہیں

برسات کی رات

کتنی تاریک ہے جنگل میں یہ برسات کی رات
ڈر ہے خاموش نہ ہو جائے مری شمعِ حیات
نہ فلک پر ہیں ستارے نہ زمیں پر ذرات
آج بد لے نظر آتے ہیں جن کے حالات
نہ زمیں ہے نہ زمانہ نہ جہت ہے نہ بہت
اک کرن بھی نظر آتی نہیں اب تو ہیہات
کچھ ہمیشہ تو رہیگی نہیں برسات کی رات
دیکھ بجلی وہ دکھاتی ہے زمیں کے ذرات
صبح صادق کے نظر آتے ہیں یادِ حلوات
ہو نمودار کرے چاک روئے ظلمات

کتنی پر شور ہے دریا کا تلاطم بابر
بادِ صحر کے چلے آتے ہیں جھونکے کیسے
ظلمتِ ابر نے معدوم کیا ہے سب کو
گلِ رنگیں بھی سیہ پوش ہوئے ہیں افسوس
اک اندھیرے میں ہیں پوشیدہ ازل وابد
ظلمتِ یاس میں پوشیدہ ہوئی ہے امید
انتا مایوس نہ ہو اے دل بے تاب تو اس
دیکھ! جگنو وہ چمکتے ہیں ستاروں کی طرح
دیکھ! ماں دیکھ! اذغور سے مشرق کی طرف
کیا تعجب ہے کہ خورشید جہاں تاب اپنا

مادرِ گیتی

_____ مانو ذرا نیلے _____

اے مادرِ گیتی ترے دامانِ کرم میں
کیا بیش بہا گوہر و یاقوت بھرے ہیں
تو مظهرِ جبروتِ جلالِ ازل ہے
کہ سارے سمندر ترے قدموں پہ رپے ہیں

اشجار جو پھیلے ہوئے ہیں حدِ نظر تک ہے فیض یہ تیرا کہی اس طرح کھڑے ہیں
یہ سارے زمانہ کے نواسخ پرندے تیرے ہی اشارے سے ہواؤں میں ہیں

تو خالق اشکال ہے تو نورِ ازل ہے
ہر شے سے نمودار تو ذوقِ عمل ہے

انساں کے لئے مادرِ گیتی ترا آغوش گہوارہ مسرت کا ہے خوشیوں کی فضا
گو تاک میں رہتی ہے اجل اس کے ہمیشہ پر ہاتھ میں تھا مے ہوئے تو آبِ بقا
تو پالتی ہے اس کو بہاروں کی ہوا میں پہناتی اسے شوق سے پھولوں کی قبا
یہ فیض ہے تیرا ہی کہ انسان کا گھر آج دولت سے تری روشِ فردوسِ بنا

سرشارِ فضاؤں میں تری جلوہ گری ہے
تو قوتِ تخلیق کی جاوِ نظری ہے

ہیں کھیل رہے وسعتِ صحرا میں ہزاروں انسانوں کے بچے کہ جو ہیں حُسن کے کنارے
دو شیرہ جینوں کے بھی ہیں غولِ بہانے پانی کے لئے آئے ہیں ندی کے کنارے
کھینٹوں میں کوئی بانسری بیٹھا ہے بجاتے کیا دلکش و رنگیں ہیں یہ جنگل کے نظارے
ہے حُسن بھی اور عشق بھی محسوسِ فضا میں ہیں چاروں طرف اڑتے محبت کے شرارے

اے مادرِ گیتی یہ ترا فیضِ اثر ہے
یاں خرابی بھی گلزار کا منظورِ نظر ہے

غزلیں

شعلوں میں خود کو یوں نہ چھپایا کرے کوئی خونِ شفق سے جلوہ دکھایا کرے کوئی

آنکھیں کچی ہیں انجمِ تاباں کی ہر طرف
 اتنا بھی شوقِ عرشِ نشینی نہیں ہے خوب
 ابرِ سیہ میں برق کی خشنود کی عبث
 مدت سے فتنہ بار ہے یہ عقلِ فتنہ کوش
 تارِ کیوں میں راحتِ عالم ہوئی ہے گم
 صحنِ چین کی وسعتِ محدود سے ہوں تنگ
 جی چاہتا ہے بارشِ بارانِ حُسن سے
 اس آج بھوئے چشم کو دریا کرے کوئی

اے اشکِ قصۂ غمِ الفت نہ چھیڑنا
 ایسا نہ ہو کہ تنجکو بھی رسوا کرے کوئی

آسمانوں کی طرف مائل پرواز ہے دل
 دونوں عالم میں ہے اک حشرِ زخمِ برپا
 کچھ سمجھ میں نہیں آتی ہے حقیقتِ دل کی
 کہیں مجنوں کے یہاں میں خاکِ کفِ پا
 اک ستارے کی طرح محوِ تنگ و تازہ ہے دل
 زخمِ سازِ ازل بن کے نوا ساز ہے دل
 کبیں منصور کی سولی پہ سرفراز ہے دل
 کشتہ ناز ہے دل کشتہ انداز ہے دل

منتظر کس کلِ رنگیں کا یہ ہو گا اے اشک
 آج اس کیف سے جو زمرہ پر داز ہے دل

بل کھائی ہوئی زلفِ معنبر کو ذرا دیکھ
 شرمائی ہوئی زگرِ شہلا کی ادا دیکھ

ہاں اے نگہ شوق وہاں ہمیں یہ ہیں
 نکش سے نکلنے نہ لگیں تیر قضا دیکھ
 گلزارِ محبت کی ہو گلگشتِ مبارک
 کہتی ہے ترے کان میں یہ بادِ صبا دیکھ
 السادے نقابِ رخِ زیبا کو گھڑی بھر
 ہے اس دلِ صد چاک میں اک حشرِ بیا دیکھ
 اے دیدہ مشتاق نظرِ ڈال سنبھل کر
 ذروں میں چمکتا ہے وہ خورشیدِ نقادیکھ
 بچھلوں سے نہیں رکوشِ فردوسِ یہ عالم
 پھیلے ہوئے ہر سو میں وہ نقشِ کف دیکھ
 ہاتھوں میں لئے بادِ گلرنگ کے ساغر
 کس شان سے آتا ہے محبت کا خدا دیکھ

خونِ نابہ دل درِ جُدا میں بہا کر
 اے اشکِ ذرا اشکِ محبت کا مزا دیکھ

اکبر وفاقانی - سید محمد بی۔ ال ال بی عثمانیہ

[جوا لکھی شاعر ہے۔ آرٹ کی دنیا میں نام پیدا کیا ہے ادب کو آرٹ سے بولنت ہے وہی نسبت اکبر کو نظم ہے۔ یہ دنیا میں اداکار بن کے رہنا چاہتے ہیں اپنے دل کا حال کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیتے ان کا شعر بھی آرٹ کا ایک راز ہے۔ جدت کے پرست ہیں اور نرم کے دلدادہ اس لئے نئی نئی بحروں میں پئے آپ کو قید کرنا نہیں چاہتے۔ زبان کو خیال کا رنگ سمجھتے ہیں، مصور نے جو رنگ مناسب سمجھا دیدیا۔ ہندی نرم اور تشبیہات کا استعمال ان کا مسلک رہ چکا ہے۔ حیثیت جو ہری کے ان کی دکان کھلی نہ تھی کہ یہ وکالت کی دنیا میں کچھ کر شعر سے غلط ہو گئے]

تاج محل کو دور سے دیکھ کر

اک خواب کی دنیا کو کھڑا دیکھ رہا ہوں	میں ہر مہینے تعبیرِ فنا دیکھ رہا ہوں
وہ لگند و محراب وہ مینار نگینہ	جوں محتوِ تبسم کوئی خوابیدہ حینہ
یوں دور درختوں سے یہ جلوہ نظر آیا	باول سے کوئی چاند نکلتا نظر آیا
ہر شے متناسب کوئی گوہر کی لڑی ہے	اک حور ہے جو مہر مری جا میں کھڑی ہے
ہر قبہ چمکتا ہوا ہیرے کی کنی ہے	یہ ہند کا احرام زلیخا بدنی ہے
دو شیرازہ اقبالِ سلاطین کہیں اس کو	تیمور کی اولاد کی انگلیں کہیں اس کو

گنبد ہے کہ یہ لختِ دل شاہجہاں ہے
جو اپنی تمسک کے لئے خود نگرہاں ہے

بِت مَسْن

اے نور کی پتلی روحِ حیا	اے مہرِ ہستی کی ہمتا
اک کیف تری گفتار میں ہے	اک وجد تری رفتار میں ہے
پیما نہ تیری آنکھیں ہیں	میںجانہ تیری آنکھیں ہیں
تو تنہی بھولی بھالی ہے	تو کالے کاکل والی ہے
شاعر کے دل کی آہ ہے تو	عاشق کا غر و جاہ ہے تو
تصویرِ بسم تو ہی ہے	اور جانِ نغم تو ہی ہے
تو حور ہے یا گلشن کی پری	یا حُسن کی مے بیشہ میں بھری
زلفوں میں کرن کا ہے جلوہ	زربفت ہے نور و ظلمت کا
گالوں میں جانِ گلاب بھری	آنکھوں میں روحِ شراب بھری
واں آنکھ میں پتلی کالی ہے	یاں دل سے پہلو خالی ہے
کیا اللہ چہن کی باتیں ہیں	کیا بھولے پن کی گھاتیں ہیں
کیا سادہ اور پرکار ہے تو	انجان ہے اور عیار ہے تو
کانوں میں ناگے کے دُورے	دل صدقے ایسے زیور کے
چہرے پہ بلا کی معصومی	ہے تجھ میں خدا کی معصومی
نشوخی و شرارت بھولا پن	بیچین میں جوانی کا جو پن

عاشق کے دل کو چور کرے	جو دار کرے بھر پور کرے
آمیرے دل کو مست بنا	بے کل ہوں مست الت بنا
اس دنیا سے بیزار ہو میں	ان جھگڑوں سے ناچار ہوں میں
ہوں خاکستر اس گلشن میں	بے بال و پر اس گلشن میں
بلبل ہوں اور گل کا جو یا	بیمار ہوں سنبل کا جو یا
مگن نامی کا پیغام ہوں میں	یعنی کہ شکستہ جام ہوں میں
الفت کا ٹوٹا سا زہ ہوں میں	بہل کے دل کا راز ہوں میں
متوالے کا اک لگ ہوں میں	پتھر میں حکمتی آگ ہوں میں
ناکام مری خاموشی ہے	بدنام مری سرگوشی ہے

تو مجھ کو بے پایاں کر دے

اور الفت کے شایاں کر دے

ساغر جہانگیر

اے جہانگیر اے حسین عاشق	کون ہے تجھ سامعین عاشق
تیرا ہمیشہ میرے سامنے ہے	اک پری خانہ میرے سامنے ہے
تھی بہشت نظر تری محفل	روح شاعر تھی یا تری منزل
تیرا گھر تھا کہ حسن کا گلزار	شعلہ رویوں کے بانگین کی بہار
بن گیا تھا زمیں پہ باغِ جناں	جمع تھیں اک جہاں کی جو میں بہاں
ہند کی ایک تھی حسین پری	جس کی آنکھیں سیاہ جادو بھری

ترک و ایراں کی خوش ادائی تھی گویا خیمہ نام کی رباعی تھی
 باغ کی وہ روش و گل کاری نسل تیمور کی طرح داری
 حوض میں روح آب نوارے بیش دالان کے وہ نظارے
 وہ صراحی میں کیفِ عشرت بند دل عاشق میں جیسے حسرت بند
 چنگ و ربط پہ شعر خوانی تھی ہر صد میں بھری جوانی تھی
 بہر وین تھی کبھی بہار کی جھیر خلش زخم دل ستار کی جھیر
 نازنینوں کا قص تھا چیم چیم جیسے جل پر پھوار ہو رم چیم
 سب یہ طرفہ کسی کی آمد تھی تو محفل تھا یا قیامت تھی
 مست آنکھوں میں اک تبسم تھا یا تڑپتا ہوا زخم تھا
 ہاتھ میں اک صراحی مئے تھی اور ہونٹوں پہ بے صدائے تھی
 ایک رنگیں ایباغ تھا مئے ہو یاد لوں کا چراغ تھا مئے ہوئے
 خن میں آنکھ کو یہ دعوت تھی نہ پیے اب بھی تو قیامت تھی
 اے جہانگیر تیر سی رنگینی تھی بہارِ جناس کی گل حسینی
 رندیاں تجھ سا کون آئے گا ہند کو پھر حسیں بنائے گا
 اب بھی باقی ہے تیرا پیما دیکھ کر جس کو دل ہے دیوانہ

سامنے اس کے خون روتا ہے

یادِ ماضی پہ جان کھوتا ہے

حسَن کی دیوی

نفسِ ملبوسِ مَرَمِیں میں کھڑی ہوئی اک حسین شے ہے
 دلوں کے حق میں سکونِ بسمِ نظر کے حق میں لطیف مے ہے
 یہ حسنِ کاری کی جانِ شاعر کے دل سے پیدا ہوئی ہے گویا
 حسین خالق کی آرزو، شکلِ آذری میں چھپی ہے گویا
 شباب کا جوشِ کسنی کی شرارتوں سے نکھر گیا ہے
 جو زلفِ بل کھا کے رُک گئی ہے تو محرمِ ناز ابھر گیا ہے
 وہ بان کا سچ و سچ وہ تیکھی چتون، ادائے دلکش ہے نکلی باری
 لہرائی حالت میں مست کوئی کھڑی ہے یونان کی کنواری
 غضب ہے ایسا حسینِ منظر اور ایسے پتھر کی سادگی میں!
 ہزار رنگوں کا اک مُرقع چھپا ہے مَرَمِ کی سادگی میں!

آغازِ شباب

جس طرح سرمایِ ہوا مرو و گدرا یا ہوا
 جس طرح نارسِ بون باغوں میں شعلہ پیرین
 جس طرح ہو سببِ سُرخ و سبز اور نازکِ بد
 کیوں جو انی بچہ نہ ہو تیرے لڑکھن پر نثار

وہ صباحت میں راحت کی جھلک جا دو بھری
آنکھ میں معصوم ہرنی کی ادا سوئی ہوئی
پتلیاں تیری سیاہی میں جواب طور ہیں
تیری آنکھوں سے شعاع بے گناہی جلوہ گر
رُس بھری آواز تیری نغمہ داؤد ہے
تہمتہ کی گونج تیری قفل مینا میں ہے
ماہ کی تنویر ہے تالاب کے رُخ پر جس
صبح کی شبنم ایاغ گل سے مئے آشام ہے

تیرے نظارے میں لیکن محو ہو جاتا ہوں میں
حُسن کے معصوم منظر میں خدا پاتا ہوں میں

آوازِ قدم

سرِ راہ آوازِ پا ہر طرف سے
اک آواز میں جستجوئے طلب ہے
اک آواز میں کیفیتِ مستی ہے ظاہر
اک آواز ہے التجائے گداگر
اک آواز ہے دوسری کی طلب میں
صدایوں تو ہے سیکڑوں قہقہہ کی
کوئی آرہی ہے کوئی جا رہی ہے
اک آواز ہستی کو شرمادہی ہے
مگر جام سے مئے پھلک جا رہی ہے
اک آواز نحت کو ٹھکرا رہی ہے
صد جس کی رگ رگ بڑھ جا رہی ہے
مگر ایک سے اک جدا رہی ہے

اک آواز میں ہچکیاں ہیں سسل
خوشی کی کوئی راگنی گارہی ہے
مگر درمراوا ہے آمد یہ جس کی
وہ آواز آنے میں نثر ماری ہے

گاؤں والی

حسین چشمہ آب روانِ صحرائی
یہ تیری محنت و خوبی کی اک نشانی
شکوہ و ہر سے نا آشنا نظر تیری
مگر وہ جذب ہے تیر خرامِ نازک میں
تو اپنی راہ تبسم پہ جاوہ پیمائے
ترے خرام سے بسزہ میں جان پیدا ہے
ترے ہی دم ہے رحمتِ خدا بر ترکی
شمیم پاک ہے تو مثلِ چشمہ صحرا
کہ مرغزار میں جس کی ہے باد و پیمائی
تری بہار کا صدقہ مری جوانی ہے
فضائے بے خبری میں ہوئی بستی تری
کہ جس کو قوت کون و مکانہ روک سکیں
تری اداؤں پہ قربانِ بزمِ امکان ہے
ترے سکوں سے سکونِ سحر ہویدا ہے
ترے قدم سے بڑھیں رونقیں مگر گھر کی
ہے عکس جس میں جمالِ کمالِ خوبی کا

سندِ رشام

مہرِ سافر کوہ کے پیچھے دہیمے دہیمے جاتا ہے
نشامِ شفق پر چھا جاتی ہے جیسے جوانی بچپن پر
جیسے دلہن رُخ سے اپنی انجیل سرخ ہٹاتی ہے
یوں ہی سندِ رشامِ پیاری آتے آتے آتی ہے
اور اندھیرا ساری فضا پر ڈرتے ڈرتے چھاتا ہے
موسمِ گل میں مست گھٹا چھاتی ہے جیسے گلِ بن پر
لے کر اک انکڑائیِ ظالم دھیرے دھیرے آتی ہے
دینا کو سکھ چین دکھاتی عاشق کو تڑپاتی ہے

تارے قصر و بام فلک پر آ کے چکنے لگتے ہیں
 شام کے نالک میں یہ تارے ناچ دکھاتے ہیں
 چڑیاں گاتی شور مچاتی آ کے بسیرا لیتی ہیں
 اودے اودے کہسار و پر ظلمت چھاتی جاتی ہیں
 رات اور دن کے ملنے میں کیوں شور قیامت اٹھتا
 شام کے سینے میں بھی شاید بات فنا کی ملتی ہے
 سورج چھپ جاسے اختر بام فلک پر چڑھتے ہیں

آنسو جیسے میری پلک پر آ کے ڈھلکنے لگتے ہیں
 بزمِ جہاں کو دیکھ کے شاید خود ہی سہمے جاتے ہیں
 اور تھکی ماندی دنیا کو مزدورِ راحت دیتی ہیں
 رات کی ناگن کر نوں کو چن چن کر کھاتی جاتی ہے
 شام کے سندرہاتھوں کیوں ن کا جو بن لٹتا ہے
 زلیست اور موت کے ہنگاموں میں اسکی جونی ملتی ہے
 اور وقت سحر شاید وہ فلک مہر جھا کر گر پڑتے ہیں

یوں ہی اس دنیا کے تارے سُن کے زینے چڑھتے ہیں
 اپنے پیا کو دیکھ کے سب شرمناک مدھم پڑتے ہیں

ٹیپو سلطان سے اہل ہند کا خطاب

اے بیکر آزادی اے رُوحِ شجاعت آ
 اے قلبِ محبت آ اے جانِ حمیت آ
 ایثار و صداقت پر کی جانِ فدا تو نے
 دکھلا دے اسیروں کو بڑی ہوئی شوکت آ

قائمِ تختِ ترے دم سے اندازِ جہانِ بانی
 باقیِ تختیِ ترے بل پر حریتِ انسانی

آدیکھ اتری کھیتی برباد ہوئی کیونکر
 اس باغِ پلجیس کی بیبِ داد ہوئی کیونکر
 تھے دل کے جو ہنگامے وہ گل کی طرح چپ
 بے سود تری بلبل فریاد ہوئی کیونکر

نالوں میں عنادل کے وہ جان نہیں باقی
 اور گل کے بتسم میں وہ آن نہیں باقی
 ہم دوستِ عدو کے ہیں اور دوستِ دشمن ہیں
 غیروں کے تو رہیں اپنوں کی رہزن ہیں
 منجھڑھار میں آفت کے ہیں اہلِ وطن سارے
 ہے غم کی گھٹا سر پہ برباد نشیمن ہیں
 اے رُوحِ عمل پیو آہم کو سہارا دے
 آفت کے اٹھانے کا اس قلب کو یارا دے
 آ، اور ہر اک گل میں بُو ہو کے سما جاتو
 غیجوں کو کھلا جاتو، سوتوں کو جگا جاتو
 پروانہ بنا جاتو اس دلیں کی الفت کا
 اس بزمِ محبت میں اک شمع جلا جاتو
 حیدر کے پسر آجبا اور خون بہا کر جا
 اے شیرِ نیتانی باطل کو مٹا کر جا
 پُپوتری ہستی پر نازاں ہے وطن اب تک
 اور تیری شہادت پر نالائک وطن اب تک
 محفلِ تری سُونی ہے اور جانِ عملِ کم ہے
 اک جان نہ ہونے سے بیجانِ وطن اب تک
 آنکھوں میں چمکتا جاتو آنسو سے ٹپکتا جاتو
 الفت کی انی بن کر ہر دل میں کھٹکتا جاتو
 وہ بھی کوئی جلوہ تھا جو طور پہ رہ جاتا
 یا شیخ کا تقویٰ تھا جو جو رہ رہ جاتا
 پُپو کا دلِ مسلم کو نین کا حامل تھا
 کس طرح یہ ممکن تھا میسور پہ رہ جاتا
 دنیا بھی ملی اس کو عقیلی کی حکومت بھی
 اک وار میں جاہل کی شہرت بھی شہاد بھی

نیائل اور شام

شام کی سُنَدِ رضا میں دور کی تویر ہے
 ہر طرف طوفانِ نغمہ، ہر طرف طغیانِ نور
 نور کی سرگرمیوں میں غرقِ ایوانِ بلند
 گنبدوں پر نور کی پرچھائیاں ہیں پُربہا
 ایک جانب ہے عدالت، اک طرف دارالشفاء
 سامنے دارالکتب کی دل نشیں تعمیر ہے
 رُودِ موسے پر نیائل، دہر کی تصویر ہے
 خوابِ دوشیزہ کی میرے سامنے تصویر ہے
 حضرتِ انساں کی سرگرمی میں گم شورِ طیور
 شام کی دیوی نے بڑھ کر پھینک دی اپنی کند
 اور فضا پر چھایا گیا ہے نور و ظلمت کا غبار
 دُور پر اک مدرستہ ہے نیند میں کھویا ہوا
 جس کے آگے کل میں عقل و ہوش کی تخمیر ہے
 جس کی دورنگی میں دونوں دور کی تعمیر ہے

ایسے خوش منظر میں میری فِیات ہے کھوئی ہوئی
 جاگتی ہے آنکھ اور تقدیر ہے سوئی ہوئی

امیر محمد امیر بی (عثمانیہ) بی ٹی (علیگ)

[مذاق سخن نکھرا ہوا اور صفا ستھری زبان رکھتے ہیں۔ ان کی نغمہ سرائی میں ایچ او جدت کا گہوار ہے، لفظوں سے زغم پیدا کرنا ان کا کمال ہے، تخیل کے ساتھ جذبے کی ایک کشمکش پائی جاتی ہے جہاں حبیت اکثر تخیل کی ہوتی ہے ایک زمانہ میں ان کی طبیعت میں زور تھا، اب مزاج مائل بہ افسردگی نظر آتا ہے۔ ان کے دل کی وارثا سے ان کے کلام میں اثر پیدا ہوتا جا رہا ہے ترجمے کے اچھے شائق ہیں، مغربی شاعروں کی بعض نظموں کو خوبی کے ساتھ اردو میں منتقل کیا ہے جن میں شیبہ شباب و جفا جاوید قابلِ داد ہیں]

محسوسات

ترتیبِ بسم کی اک جھلک ہے جیسے میں سمجھ رہا ہوں
ہزار سانچوں میں جس مشیت نے مجھ کو ڈھالا بدنِ لک
تیری نگاہِ عتاب ہے وہ جسے قیامت سمجھ رہا ہوں
اُسی مشیت کا خواب ہوں میں جسے حقیقت سمجھ رہا ہوں
میں اپنی نادانیوں کو سرمایہ بصیرت سمجھ رہا ہوں
خودی کو اپنی کبھی فسانہ کبھی حقیقت سمجھ رہا ہوں
میں اپنے ذروں کی بزمِ کثرت کو شانِ وحدت سمجھ رہا ہوں
کبھی خدائی سے ہوں میں روشن کبھی ہوتا ایک بندگی سے
میں نورِ ظلمت کو پسیدہ کر آب و گل کی زینت سمجھ رہا ہوں

بجیہ

بجیہ نہیں تارا ہے اک چاند کا ٹکڑا ہے
بڑھتا ہوا شعلہ ہے

اک نور ہے سرتاپا اک طور ہے چھوٹا سا
اک ساز ہے قدرت کا اک راز ہے فطرت کا

اک پھول ہے جنت کا
خورشید کی حکو میں مہتاب کی جھلکوں میں
گلزار کی مہکوں میں

ہے جسم و صلا اس کا چہرہ بھی ہے کندن سا
آنکھیں بھی ہیں کیری سی اور زلف ہے چھوٹی سی
اک جان ہے ننھی سی

بچے کا جو ہنسا ہے بھولوں کا وہ جھڑنا ہے
تاروں کا وہ کھلنا ہے

ضو ہے مہ انور کی اک موج ہے کوثر کی
یا برق ہے اک چمکی

اک شر میں بچوں کے جوتار ہیں نعموں کے
وہ لہن ہیں چڑیوں کے

پائے نہیں جاتے ہیں دل کو نہیں بھاتے ہیں
پیران کو جو چھیریں ہم سب دور ہوں نج و غم
کلفت بھی ہو ساری کم

شب و شب

(راوننگ کی مشہور نظم زبی بن عدرا کے ترجمے سے انتخاب کی گئی)
میری طرح تمھیں بھی بڑھاپا نصیب ہو گا
حاصل تمھاری زلیت کا آغاز میں نہیں
کل تک اڑائے بادہ کلزنگ کے مرے
آئے تمھاری عمر میں بھی شام زندگی
تم کو ابھی ہے دیکھنا انجام زندگی
یہی ہے آج دردِ مئے جام زندگی

دورِ شب کے ہیں مرے یاد آج تک
نیرنگیاں جہاں کی لبھاتی تھیں دل مرا
جو گوشِ ہوش نے سنا دیکھا جو آنکھ نے
گم تھے مرے تو اس خدا کے کمال میں
کھویا ہوا سارہنا تھا حسن و جمال میں
ہیں قید آج نکاتِ مردام خیال میں

اے رب ذو الجلال تری حمد کیا کروں
دیکھی تھی میں عہدِ جوانی میں قدیں
دھو ڈال اپنے ہاتھ سے ہستی کا آئینہ
خالق ہے بے نیاز ہے اور ہے کریم تو
اب دیکھتا ہوں لطفِ کرم تیرا چارو
ہے تیرے موقلم کی مجھے کب جستجو

اہلِ جہاں کو صرف نمائش سے ہے عز
پرواہ نہیں حقیرِ دل ہی میں گھٹیں
مقصد کی فہم توں کسی کی نہیں نظر
اور پورے ہو سکے نہ تخیلِ ملت تر

مشکور ہو سکیں نہ اگر کوششیں تو کیا
غم کیا ہے اگر نہ مل سکا مقصود کا گھر
یزداں کی جوتوں سے نہیں ناامید میں
وہ میر قول اور عمل سے ہے باخبر
اُس کو پسند ہے ہر نازک خیالِ لیا
اُس کی نظر میں کلام مرا ہے عزیز تر

بھرتا ہوں ب میں بادِ ہستی جامِ گل
لاتا ہوں تیرے پاس کمرے قبول تو
اے ساقی ازل یہ تیری ہی شراب ہے
پیدا ہے موج موج سے تیرا ہی ناک
گر تو لگا دے اپنا لبِ سردی آئے
تکمیل زندگی کی نکل جائے آرزو

خط کا انتظار

روز و شب بتا ہے مجھ کو ان کے خط کا انتظار
کس طرح بہلاؤں دل کو کس طرح پاؤں قرار
دیر باندھے ٹکٹکی میں دیکھتی ہوں بار بار
پاس میرے آج شاید آئے گا بیغامِ یار
پاکے آہٹ نامہ بر کی کچھ سکوں پائی ہوں میں
اک حیاتِ نو مجھے ملتی ہے کھل جاتی ہوں میں

دور ہوتی ہے تڑپ کا فور ہو جاتی ہے پاس
دیکھتی ہوں شوق کی نظروں سے اپنے اس پاس
نامہ کیا آیا کہ گویا آگئے وہ میرے پاس
پھول جاتی ہوں مسرت سے بدلتی ہوں لباس
پڑتی رہتی ہوں میں پہروں انت کچھ کھلتی نہیں
درد و غم کی داستان بھی ختم ہوتی ہے کہیں؟

خط کو آنکھوں سے لگا کر چومتی ہوں دم بہ دم
تو لیتی ہوں حرف سار عشق کی میزان میں

تاکہ قلب مضطرب کی ساری بیتابی ہو کم
اور معمولیتی ہوں اکچہ حسن اپنی بہانہ میں

عظمتِ پیری

وہ عمارتِ بہ تیرتی تھی مری کشتی حیات
بادِ بہار دوزِ تیرتی پھرتی تھی چار سُو

دریائے زندگی میں بلا کا تھا اضطراب
اک آگ لگ رہی تھی گلوں میں کنارا آب

گلشن میں شاخسار پہ طائر تھے نغمہ زن
آرام کی تھی سُدہ نہ بغیر تھا خیالِ خواب

تیزی سے جا رہی تھی مری کشتی حیات
فرصت نہ تھی کہ دہر کا کرتا نظر رہ میں

یا جارا ہا تھا مجھ کو لئے سیل خواہشات
اور دل کی وسعتوں میں سمو لیتا کائنات

اب ختم ہو گئی ہے جوانی کی کشمکش
سنستے ہیں گوشِ نغمہ رنگیں جہان کے

اب پا چکا ہوں ساحلِ دریا زندگی
لیتی ہے شمعِ رُوح ستاروں سے روشنی

(ٹیگور)

حیاتِ جاوید

[یہ دو سورتھ کی مشہور نظم ODE TO IMMORTALITY کے مکمل ترجمے کا انتخاب ہے۔]

اے مرے ننھے سے بچے! جسمِ ظاہر یہ ترا
اے کہ تو ہے فلسفی، نکتہ شناس، رمز بین

وسعتِ دل کا تری دیتا نہیں کچھ بھی نشاں
تیری فطرت دورِ ماضی کی ہے اک ارثِ گراں

گو بہ ظاہر تو ہے ناداں ور ہے بالکل خموش
روح تیری ہے پیامتِ الہی کی امیں
تو ہے وہ پیغامِ بروشن ہے جس کی چشمِ دل
راز ایسے جن سے اہل عقل ہیں نا آشنا
دہر کے ظلمتِ کدے میں سب کے سب محصور ہیں
اے کہ تجھ پر سایہ انگن ہے حیاتِ لازوال
تیری عظمت ہے مسلم تیرا رتبہ ہے سوا
تیرا بچپن زندگانی کا ہے دورِ شاندار
پھر یہ کیوں غور و تردد یہ تلاش و جستجو
ہو گئیں طفلی کی خوشیاں نذرِ علم و آگہی

پرنکاہوں میں ہیں تیری بزمین و آسمان
ہے ترے مرغِ تمخیل کا فلک پر آشیاں
تجھ پہ آئینہ ہیں سب رازِ حیاتِ جاوید
اور حل کرنے سے ہیں مجبور جن کو نکتہِ دل
جس کی ظلمت پر لمحہ کی تیرگی کا ہے گماں
جیسے قدرت ہے زمین پر تو مہرِ زمیں
گرچہ ہے تو خلق کی نظروں میں اک تنہی سی جا
جس سے وابستہ تری آزاد یوں کا ہے جہاں
کس لئے ہو فکرِ فردا باعثِ آزار جا
روح پر آلامِ ہستی کا ہے اک بارِ گراں

ڈالنی ہے پاؤں میں بٹری رواج و رسم کی
دیکھنی ہنگامہ آرائی ہے بزم و رزم کی

ماضی و حال

آبتاؤں تجھ کو اے غافلِ طریقِ بندگی
چونکِ خوابِ گراں دیکھ انکھیں کھل کر
یہ زمینِ آسمانِ یہ آفتابِ ماہتاب
اٹھ محبت کی طلب میں پیغامِ اشتی
تاہو تجھ پر مدعاۓ خلقِ آدمِ آشکار
ہو گئی جنتِ تری دو خزاں ہم کنار
ہیں تری شمشیر کی خوزیر یوں کے سو گوار
ماں بہت کر پھیل جاتا فاق میں گلِ طرح
اک محبت ہی یہ تیری زندگی کا ہمدار
مست کر دے محفلِ ہستی میں مل کی طرح

خطائے گل

کہا مٹی نے اک دن تھام کر دامنِ مشیت کا
نہیں غمِ آسمانوں کی بلندی سے اترنے کا
وطن کی قید سے چھوٹی تو فوت بڑھ گئی میری
بہارِ بے خزاں سے ہو گیا تھا دل مرا بیزار
نہ گرمیِ عمل تھی واں نہ کچھ ہنگامہ آرائی
غرض وہ راگ کی اور رنگ کی اک زندگانی تھی
مرے خوابوں نے آخری جواک ہلکی سی انگڑائی
اِطاعت کے بچند وں مجھے ذوقِ گنہ لیکر
پڑا تھا منہ لپیٹے یہ جہانِ ملک کی چادریں
ابھی تقدیر کی زلفیں سلجھنے سے الجھتی تھیں
ابھی تھا قطرہ گوہر کے دل میں قطرہ باطل
نہ ٹوٹا تھا تدبیر سے طلسمِ رنگِ دیو اب تک
ہزاروں سال میں لڑتی رہی اپنے مقدر سے
دُھٹی جاتی تھی جو ہمت بندھی آہستہ آہستہ
سجایا میرے ہاتھوں نے تماشا کاہِ قدرت کو

زباں کھتی ہے کچھ اندازِ ایسا ہے حکایت کا
نہیں کوئی تر و دا اپنے ذروں کے بکھر نے کا
میں آئی خلد سے باہر تو قیمت بڑھ گئی میری
کھٹکتا تھا میری آنکھوں میں کانٹے کی طرح گلزار
سکونِ عیش کی مدہوشیاں تھیں ہر طرف چھائی
مقدر کو سلانے کے لئے رنگیں کہاں تھی
حقیقت کی نئی دنیا نظر کے سامنے آئی
خریدی میں نے آزادیِ حیاتِ جاودا دیکر
کہ جیسے طفلِک نازا سیدہ ہو وطنِ مادر میں
ابھی تخلیق کی کلیاں تبسم سے بھجکتی تھیں
ابھی کھلنے نہ پائے تھے زمیں جو ہر قابل
بھٹکتی بچھری تھی بحر و بریں بتواب تک
بگڑتی اور بھگڑتی ہی رہی اپنے عناصر سے
تھی جاتی تھی جوندی چڑھی آہستہ آہستہ
بسایا میری ہمت نے جہانِ نو کی وسعت کو

کہ بزمِ قدس میں کچھ ہو رہی تھیں راز کی باتیں

مجھے بھی یاد ہیں وہ ساعتیں وہ ناز کی باتیں

ترے اندازِ پالاکا کُناتیں ڈگنیں ساری
خطا آگے بڑھی اور بڑھ کے رکھ لی باتِ مخلص میں
یہی تیرا تصور تھا کہ ہو جاؤں نظار میں
تو پھر ہستی مری کیوں مبتلا ہے آزمائش میں؟
ترتیبی پھر رہی ہیں بجلیاں خرمنِ جلانے کو
اسی تنکے کو تاکا آن تھی جو لالہ زاروں کی
بلندی کا نشانِ ب بھی مری پستی میں باقی ہے
بکھر کے تیرے قدموں میں پڑی ہوئے سوٹ جاؤ
یونہی بھٹی میں جل جل کے زرِ کال بنوں گی میں

عزلیں

اک تبسم میں مگر گلشنِ کھلیں تقدیر کے
ہوں عیاں جو ہر تمھارا خنِ تدبیر کے
اے جنوں سوزِ محبت میں اثر اتنا تو ہو
طور روشن جلوں کے کیونکر بچے اپنی نظر
پڑی بھلکی جو سینے پر نگاہِ لطفِ جاناں کی
تری زلفوں کا سایہ وہ بہستانِ مسرت ہے
عجب کیا ہے کہ اس جوشِ جوانی سے پڑاں چل
سحر کو لیں تبسم نے تری انگڑائیاں ایسی

اک نگاہِ قہر میں خرمنِ جلیں تدبیر کے
گر نکالو بل مری الجھی ہوئی تقدیر کے
خونِ جو دجاں گھیل حلقے مری زنجیر کے
دامِ ہر سو میں بچھے اس عالمِ تصویر کے
ہوئی بیدار ساری بستیوں دنیاے ارماں کی
کہ جس میں کھیلتی ہیں مستیاں لاکھوں خستیاں کی
نہیں یہ شوخیاں اکھیلیاں ہیں موجِ طوفان کی
کہ ہر ذرے سے بھوٹی اک کرنِ صبحِ درخشاں کی

باقی - محمد عبدالقیوم خاں ایم۔ اے عثمانیہ (ریسرچ اسکالر) میرے برکات سے

جب صبح ہوئی نور کے دروازے پہ آکر
شفاف شعاعوں پہ قدم اپنے جما کر
مہتاب شفق اور ستاروں میں نہا کر
کرتا ہوں میں انوارِ الہی کا نظارہ

جب نکل آیا تو جبرِ روح کا دربار
ہر سمت برسنے لگے سچائی کے انوار
نیکی و اخوت کی بڑھی گرمی بازار
ملنے لگا دنیا کو محبت کا سہارا

دل و روح نظرِ خوب گئے موجِ انہیں
ایماں کا لہو گرم ہو اقلب و جگر میں
روشن ہوئے یہ ارض و سما دیدہ تریں
ما تھے پہ چکنے لگا عرفاں کا ستارا

صد ہے مختار
صد ہے مختار
صد ہے مختار

رنگ اور چمک، لطف و نزاکت نظر آئی
ہر شے میں بہشتوں کی لطافت نظر آئی
ہر چیز میں اللہ کی طاقت نظر آئی

ہستی کو ملا چشمِ الہی کا اشارہ
مرتے ہیں تو آنکھوں میں ہیں جینے کے سامان
جیتے ہیں کہ مرنے کا ہے اک اور نگہاں
ہر وقت خوشی کے نظر آتے ہیں گلستاں
ہر آن غمِ زلیست کی تلخی ہے گوارا
صدقہ ہے تمھارا

مُساَفر

ترے بیتاب قدموں گزرتے ہیں بیابانی
تری آشفتنکی کو بے نیازی آزماتی ہے
ادھر آئے خیالِ تشنگی میں ڈوبنے والے
کہاں جاتا ہے لذتِ آشنائے بیچ و خم بن کے
جنوں نا آشنا ہے شوقِ تیرا، زندگی تیری
غضبِ بیٹریاں احسان کی پہننے ہو چیلنا
فرا سینے کو اونچا کر، ذرا رفتار پیدا کر
ہے تنگ و شستِ پیمانی بھروسہ رہنمائی کا
کہ ہے صحرا کے دامن میں ترا چاکِ گریبا بھی
قریب آتا ہے جب رتہ، تو منزل دو جاتی ہے
ادھر آئے سرابِ زندگی میں ڈوبنے والے
ترے ارماں نہ مٹ جائیں کہیں نقشِ قدم کی
ابھی کُشش نہیں ہے قوتوں سے بندگی تیری
غضبِ کفریہ زلیست کی آغوش میں پلنا
اگر چلنے کی خواہش ہے، دل خود وار پیدا کر
مسافر اس بیاباں میں کھا دھوکا خدائی کا

بِأَشْرَى

بن مہینہ راگ سناؤں
دل کی دنیا جگت کو دکھاؤں

من میں اپنی شمع جلاؤں
بیت نگر میں آگ لگاؤں

تانا تیرے تروم ترانا تانا تیرے تروم
میری دہن سے دنیا جاگے ابھیں من میں غم کے دھاگے
میرے کوئل راگ کی لہریں جیسے بن میں نہر نہا جھاگے

تانا تیرے تروم ترانا تانا تیرے تروم
جھل جھل جب ہوں تارے روتے بیٹھیں پریم کے مارے
اُس دم اپنا راگ سناؤں نکلیں منہ غم کے شرارے

تانا تیرے ترو دم ترانا تانا تیرے ترو دم
بھینا بھینا جب ہو اجالا چرخ اُتارے تاروں کی مالا
جھرنے جھرنے بچھ کے پتیم سنیں پو میرے دل کا نالا

تانا تیرے تروم ترانا تانا تیرے تروم

میکده

اے ساقی سحرِ رمیِ اشتعلی کو دیکھ
پھولوں کے جامِ بادہِ شبنم سے بھر گئے
مدرِ ہوش اس شراب سے ہوتا نہیں دل
اس میکدے کو دیکھ مریِ تشنگی کو دیکھ
غنجوں کے رنگ پر تو خور سے نکھر گئے
راحت کو اپنے ہاتھ سے کھوتا نہیں دل

دستِ شفق میں ایک جھلکتا ہوا ہے جام
لیکن مری نگاہ کے قابل نہیں ہے یہ
کچھ اور لاکھ رُوح کو تسکین ہو سکے
سُورج، نسیم، پھول، گلی، باغ، عذیب
ان میں مری حیات کا رنج و الم کہاں
ہے جس میں نورِ بادہ ہستی کا احتشام
اک ذوقِ تشنگی کے مقابل نہیں ہے یہ
بزمِ خیال اور بھی رنگین ہو سکے
سب خوش نگاہ، شاد نظر اور خوش نصیب
ان کا دلِ غریب کہاں، میرا غم کہاں!

گناہ

ذریعہ میں قصِ برق شرارت کا آگیا
شوخی، سمنہ، شوق کی ہمیں نہ ہوئی
مخمور، اضطراب، اثر دیکھتا نہیں
گردن اٹھا کے خاک کا پتلا روان ہوا
زہرہ میں اسکی دھوم اور یکہشایں دھوم
یہ گرمیاں کہاں کی ہیں چھپا ہیں کیا؟
ہر سانس میں گناہ کی لذت ملی ہوئی
آدم کسی کی بزمِ محبت پہ چھا گیا
دوزخ کی آئینہ اس کے لئے تیز ہوئی
فروں سامنے ہے مگر دیکھتا نہیں
یہ ذرہ زمین نہ ہوا آسمان ہوا
سنتے ہیں اسکے شوق کی کون کون دھوم
اسکے جنوں کو اہل فلک چاہیں کیا؟
یوں ساکنِ زمیں کو عطا زندگی ہوئی!

فراق

عشق کو حسن کا دیدار دکھایا نہ گیا
اشکِ غم آنکھ سے جاری تھی تاروں کی قسم
جب فلک سے کوئی ٹوٹا ہوا تارا آیا
تجھ سے تیا ب نگاہوں میں بھی آیا نہ گیا
آگ سینے میں بھڑکتی تھی تاروں کی قسم
میں سمجھتا تھا کہ جیسے کاسِ بہارا آیا

دھونڈتی ہیں جسے آنکھیں نہ نظر بھی آجائے
رات بھگی ہوئی پڑتی ہوئی شبِ نیم کی پھوار
قدر میں جھوم رہی تھیں ترے آنے کے لئے!
یاد آتا تھا مجھے شوخ جوانی کا حجاب
اک تبسم ترے ہونٹوں پہ نظر آتا تھا
کتنے جلوے ہیں تری یاد دلائے والے!

شاید اس ہنسکتے میں اتر بھی آجائے
دور بھرنے کی صد اسامیے پہو کی پیکار
اک سماں تھا تری آواز سنانے کے لئے
اور جب چاند کے چہرے سے المٹی تھی نقاب
ایرجب نور کی محراب سے ہٹ جاتا تھا
اے مری ہوش کی دنیا میں نہ آنے والے

مقبرہ رابعہ ورائی

[اس نظم میں سوچا گیا ہے کیا غم اور حسں میں کوئی ربط ہے؟ کیونکہ مقبرہ غم کی یادگار ہے اور حسں ہے۔]

کس سمت سے آنے لگی آوازِ محبت
حسرت کدہ عشق کی خونیں جگری میں
کس شان سے ہے جلوہ نما غم کا فسانہ!
دنیاۓ محبت کا چھلکتا ہوا غم ہے
ماں کے لئے خونبار ہے بیٹے کی جوانی
جو دھونڈتی ہیں عرش پہ پرواز کی رہا
یہ امن اماں کے لئے ہر سونگراں میں
بے ساختہ کرتا ہے کوئی نامِ خدا یاد!

کس درد سے چھڑنے لگا پھر سارِ محبت
نام کدہِ عُنس کی اس نوحہ گری میں
ہے درد کی دنیاؤں کا اک آئینہ خانہ
دروازے پہ جو حوض ہے سرشارِ الم ہے
اور جوئے رواں اشکِ اس کی ہے نشانی
ہے سرو کی مانند نکلتی ہوئی آہیں
مینار نہیں ستِ دُعا فاتحہ خواں ہیں
گنبد میں سدا کو سختی ہے نالہ و فریاد

دنیا سے منادیتا ہے دنیا کا فسانہ

بے رحم ہے اور خانہ براندازِ زمانہ

آنکھوں میں جفاکار کے چپتا نہیں کوئی
اس دشمن بیدار سے بچتا نہیں کوئی
برباد نہ کر دے کہیں اس جنتِ غم کو
بے کیف نہ کر دے کہیں اس لکھڑم کو
اس واسطے معمار نے اس خلدِ بریں میں
اس ماں کے دھڑکتے ہوئے سینے کی زمیں
صورت گری حُسن اس انداز سے کی ہے
گویا کہ یہ غم دہر میں دردِ ازی ہے!

تباہندگی و رفعتِ ارمان سے دیکھو

اس غم کے فسانے کو اسی شان سے دیکھو!

غزلیں

دلِ غریب کی بنیاں دکھانے سکے
ہم اسکے دردِ محبت کو آزمانے سکے
نگاہِ شوق کو ہر ہر قدم پہ لغزش تھی
نظر ملا کے بھی اُن سے نظر ملا نہ سکے
خیالِ عشق کی رعنائیوں کو ڈرتا ہوں
بھلا ہوا کہ تصویر میں وہ سما نہ سکے
یہ اور بات ہے تقدیر ہی بدل لیں
لکھا ہوا میری تقدیر کا مٹا نہ سکے
غمِ جدائی پہ ہسم کی خیر ہو یا رب
وہ اپنی یاد کا دامن چھڑا جانے سکے
نظر جھکا کے دیا ساغرِ شراب مجھے
جو مانگتی سمجھیں نگاہیں وہی پلانے سکے
زہے نصیب کے تیر و ہدف تھے مستِ وفا
نگاہِ رک نہ سکی دل کو ہم بچانے سکے

خدا گواہ کہ باقی کے چاہنے والے

کبھی خلوصِ محبت اُسے دکھانے سکے

رُوٹھ گئی ان کی نظر دیکھنا
جرمِ محبت کا اثر دیکھنا

وصل کی اک آس مٹانا تو ہے شام کو آئے گی سحر دیکھنا
دیکھ رہا ہوں پس پردہ اُسے میرے حجاباتِ نظر دیکھنا
پی گئے افسانہ طور و کلیم دیکھنے والوں کا جگر دیکھنا
بو پھینے والے تو یوں ہی رہ گئے مل گئی غیروں کو خبر دیکھنا
دیکھتا ہے آپ کو سارِ اہاں آپ کے قربانِ ادھر دیکھنا
ہوشِ سکوں زلیتِ تمنا خوشی زلیت کا سامانِ سفر دیکھنا

باعثِ جمعیتِ دلِ تنگ
باقی آشفقتِ نظر دیکھنا

۳

مُڑوہ اے برقِ تجلی ہوش میں آتا ہوں میں عشق بن کر واویٰ میں یہ چھاجاتا ہوں میں
آنکھ والوں کو عبتِ دعویٰ ہے میری دید کا جو نظر آتا نہیں اُس کو نظر آتا ہوں میں
میرے ذوقِ دید کا صدقہِ جمالِ کائنات حُسن کی آنکھوں پہ اپنا نورِ برساتا ہوں میں
مرحبا اے جذبہٴ عشقِ آفریںِ صدِ مرجب حُسن بن جاتی ہے دنیا جڑ جاتا ہوں میں
میرا کھل جانا حقیقتِ میرا سمجھنا حیات راز بن کر راز کے آواب سمجھنا ہوں میں
آئینہ خالتے تماشا ہے مرے دیدار کے حیرتوں کی زندگی آنکھوں سے دکھلاتا ہوں میں

اک کھلو نارکھ کے دو عالم کا اپنے سامنے
مجھ کو بہلاتے ہیں وہ اور ان کو بہلاتا ہوں میں

۴

خمارِ نیند کا آیا مرے فسانے سے حسین سو ہی گئے سازِ دلِ بجانے سے

جہاں عشق میں کس سیریاں کروں دل
 جوں بستی ہیں مجھے اُن کے آستانے سے
 جلا یا عشق نے جب بکلیوں کا ترن بھی
 لپٹ کے رونے لگیں میر آستانے سے
 چراغِ شام کی یہ ضوفشائیاں ہے
 چمک ہی ہے فضا غم کے سکرانے سے!
 شکستہ ساز میں یہ سوزِ عشق کیا ہے
 ستارے جھومتے ہیں میر گنگنانے سے
 بڑھی کہیں مہ و انجم سے آبر و دل کی
 حسیں خیال کے پہلو میں جگ گانے سے
 مری حیات میں باقی امید و یاس کہا
 بچے ہے کام فقط قسمت آزمانے سے

فاوسٹ

انتخاب

[فاوسٹ، المانی زبان کا منظوم ڈرامہ ہے جسے اُردو نظم میں لیا گیا ہے۔ اسی کا کچھ حصہ یہاں دیا جاتا ہے۔
اس ڈرامے کے اصل کردار دو ہیں، انسان اور شیطان۔ انسان — فاوسٹ اوجیزر عمر کا عالم ہے جس نے
اپنی ساری جوانی حصولِ علم میں بتا دی۔ عمل کی لذت نہیں اٹھائی۔ اس فطری تقاضے کو پامال کرنے سے فاوسٹ
انتشارِ مجسم بن کر رہ جاتا ہے اور اس کو انجان طور پر عمل کی تڑپ تانے لگتی ہے۔ عمل کے نہوتے علم ایک بڑا شیطان ہے،
یہی شیطان فاوسٹ کو پھر سے جوان بنانا اور طرح طرح کے جُل دینے لگتا ہے جس کی واردات اس ڈرامے کی جان ہے۔
فاوسٹ کے قصے میں یوں تو زمین آسمان ایک کر دئے گئے ہیں مگر اس میں ٹیپ کا بند تعلق انسانی کی وجہ چلی
ہے یہاں فاوسٹ اپنی مٹی جوانی واپس لیکر ڈرامے کی ہیروئن — مارگریٹ سے دوچار ہوتا ہے مارگریٹ۔
عورت! شیطان یہ تو جانتا ہے کہ ایک بد توفیق کے لئے اس سے کیا کام لیا جاسکتا ہے! مگر یہ نہیں جانتا کہ اسکی
محبت انجام کار کیا رنگ لاتی ہے!]

تمہید آسمانی

[شیطان بارگاہِ ایزدی میں جا رہا ہے اسرافیل میکائیل کے بعد جبریل کی تسبیح سنتا ہے۔]

جبریل — تری روشنی اسکو گرما رہی ہے عروں میں رقص فرما رہی ہے
دورنگی دوپٹہ ہے شام و سحر کا ذرا دیکھنا روپ اس فتنہ گر کا
یہ دن نورِ صبح بہشت بریں ہے یہ شبِ خلعت کا کلِ عنبریں ہے
سمندر کی موجوں پہ کفار آئے یہ پانی پہاڑوں کو ترما رہا ہے
ہے چٹنگ سی یوانِ حور و ملک جہاں زمین تیرتا ہے فلک پر

پہاڑ اور دریا یہ گردش ہے چھائی

تری کبیریائی تری کبیریائی!

ابلیس بحضورِ باری

ابلیس

”اے نفس و آفاق میں پیدا تری یا“ حق یہ ہے کہ اک عشقِ مسل ہے تری ذات
بندوں کے قریب آنے کا دکھلا کے بہنا سنتا ہے کمی رحم سے تو دل کا فسانہ
میں تجھ سے اجازت کا طلبگار ہوا ہوں اک عرض لئے حاضر دربار ہوا ہوں
آنے کی منہی تجھ کو مری آہِ فغاں پر ناچیز گراں ہو گا ترے کون و مکاں پر
سُورج کی زبا چاند کا دل مجھ میں نہیں اک زمرِ مہر و روحِ گل مجھ میں نہیں ہے
ہر وقت ہو تیر غمِ مہتی کا نشانہ ہے میری زباں پر ترے آدم کا فسانہ
وہ خاک کہ ہے اک کفِ بے برگِ نواں کرتی ہے زمینوں پہ تری نیمِ خدائی

کچھ حدی بھی ہے انسان کے احسَم و خطا کیوں تو نے اسے روشنی عقل عطا کی؟

غیب — اب میں شکوے کے سوا کچھ اور بھی تیری زبان پر آئیگا؟

شیطان۔ تیری بنیاس نظر آتی ہیں اتنی شور و شین چاہتا ہوں میں ہاں کا آنا جانا چھوڑ دوں
ہر نفس گمراہیساں دم کی تیرے دیکھ کر جی میں آتا ہے کہ اب اس کا ستانا چھوڑ دوں!

[آسمان پر پردہ آجاتا ہے، ملائکہ غائب ہو جاتے ہیں۔]

[شیطان تنہا ہے!]
گفتا پر کطف ہے نظارہ انوار قدیم کتنی پر کیف ہے صحبت آداب و نیاز
دیکھنا شانِ کریمی کہ خدائے قہار مجھ سے منکر کو عطا کرتا ہے اک سلعتِ راز!

۲۔ فاؤسٹ اور شیطان

[شیطان حضور باری سے واپس ہو کر فاؤسٹ پر ظاہر ہونا چاہتا ہے ابتداً روحِ ارضی اس کیوں گویا ہوتی!]

طوفانِ ہستی	سیلابِ عالم	کرتی ہے دنیا	میرا ہی نام
تخلیقِ دنیا	انجامِ ہستی	صبحِ جہاں ہوں	یا شامِ ہستی
روحِ سمندر	پروازِ میری	کون و مکان میں	آوازِ میری
ہاتوں میں میرے	یزداں کا دامن	چرخِ بریں پر	میرا نشین
عصرِ زمانہ	وقتِ زمانہ	میرا فناء	میرا فناء!

[آخر میں شیطان ظاہر ہو کر یوں مخاطب ہوتا ہے]

شیطان — علامہ عصر کی جناب میں کونش

فاؤسٹ — کون؟ تمہارا نام؟

مکمل و منکر و بے دین کا مدوح ہوں میں۔

شیطان۔ جس کو ہر چیز سے انکار ہے وہ روحِ ہوں

نفی کرنا ہوں ہر اک چیز کی اس دنیا میں
آج کو دیکھتا ہوں آئینہ فردا میں
رنگِ موجود میں سامانِ عدم ہے دنیا
ہائے کیا بکسی شانِ کرم ہے دنیا!
روحِ عصیان و تکبر میں جگہ پائی ہے
خاکِ رازلی جرم کا شیدا لی ہے!
[فادٹ یلوس ہے۔ اسکا دل پھیرنے کیلئے شیطاں روح کو نہ دیتا]

نغمۂ ارواح —

غائب ہوتا ریک	لے آسمان تو	ہو جانسایاں	اے جاوداں تو
اے کاش بادل	چھٹ جائیں سنا	بچکیں فلک پر	خوش رنگ تارے
رنگین موسم	پُر کیف عالم	گہوارہ جس کا	پہلوئے شبنم
خاموش سورج	خاموش ہنتاب	رفعت کے مینار	جلوؤں کے گرداب
حسنِ فلک کے	یہ پردہ در ہیں	حیرت اثر ہیں	نورِ نظر ہیں
گردش میں ان کی	جذبات دل کے	تراپانے والے	یہ آب و گل کے
نختراتے جائیں	لہراتے جائیں	فرشِ زمیں کو	چمکاتے جائیں
ہر سمت پیدا	فصلِ بہاری	طوفانِ عشرت	پیرِ سبزہ کالی
شاخوں کے اندر	زلفوں کا خم ہے	خوشوں کے اندر	صہبا کا خم ہے
وہ دیکھ انگور	کی سبز بیلین	جس طرح کمین	مشتوق کھیلین
چھوٹے سے میداں	جوشِ ہوا کے	چھوٹے سے ساحل	موجِ حنا کے
راہِ منو کی	چھوٹی سی منزل	رنگِ طرب کی	خاموش محفل
اڑتے ہیں ان پر	پرواز والے	رنگِ طرب کے	نغمے رسالے
سورج کی جانب	پرواز ان کی	ٹاپو کے اوپر	آواز ان کی

رنگیں ہو اوار
انساں نہیں یہ!

بالائے کہسار قدرت کے گویا
قرباں نہیں یہ گویا حریف
[فاوسٹ شیطان سے سمیت کر لیتا ہے]

اڑتے ہیں اکثر
نورِ ازل پر

شیطان اور طالب علم

[فاوسٹ اور شیطان ملکر عالمِ اصفیٰ کی سیر کو جانا ہی چاہتے ہیں کہ ایک طالب علم آتا ہے شیطان جلدی
فاوسٹ کا جُتہ اور عامیہ پہنکر طالب علم کے سامنے یوں گل افشانی کرتا ہے۔]

شیطان — ہاں تو یہ بتاؤ تم کون سا شعبہ علم اختیار کرو گے؟

طالب علم — میں چاہتا ہوں ساری کائنات کھنگول ڈالوں

شیطان — کیا خوب! یہی سیدھا راستہ ہے [منطق پڑھنے کا رُخ کر دینے کے بعد شیطان علمِ کیمیا پر یہ راہ دیتا]

[کیمیا] زندہ اشیاء کی جو تحقیق کیا کرتا ہے جانِ تخلیق پہ اک تازہ جفا کرتا ہے

روح کو چھوڑ کے قالب پہ نظر ہے اسکی واہ اسرار پہ کیا فتح و طفر ہے اسکی!

شے کی تحقیق پہ جب طبع بشر آتی ہے جسم رہ جاتا ہے اور جان نکل جاتی ہے

کیمیا نام ہے اس علم کی غذائی کا بول بولار ہے افکار کی بیداری کا!

طالب علم — خوش نصیب ہے وہ جو آپ سے تحصیل علم کرے..... میں جنابِ دینیات کیوں نہ پڑھوں۔

شیطان — میں تجھے گمراہ نہ کروں گا بلکہ سچ سچ بتا دوں گا۔

[دینیا] اس علم میں بھی گمراہی، قلب و جان ہے یہ اک فسانہ جھوٹ کی اک داستان ہے

تم اس میں ایک خضر سے رہبر کو ڈھونڈ لو ظلماتِ علم دیں گے سکندر کو ڈھونڈ لو

اس کی زبان لفظ پہ لُوبِعتِ خیال ہر نقشِ پاپے یار پہ ہو سجدہ پائمال

الفاظ ہیں یقین کی اک سجدہ گاہِ دِراز آؤ دِیقین پہ چھکائیں سرِ نیاز!

الفاظ سے ہے معرکہ بحث اور دلیل
الفاظ سے ہے جوش نقیب جوش اعتقاد
ایماں کے معرکہ میں الفاظ کا جہاد
الفاظ جاں میں زندگی لازوال کی!

۴۔ فاوسٹ اور جادو گر نی

[شیطان فاوسٹ کو جوان بنانے کے لئے ایک جادو گر نی کے پاس لیجاتا ہے جس کی دکان میں ایک لنگور
بڑے بلورین گولے سے کھیلتا ہوا گیت گاتا ہے۔]

دنیا گول اور عجبی گول ۱ قدرت کا ہے دھند گول
دنیا کی ربی کو جانچ ۲ اسکو پہنچا دل کی آس
کھن کھن کھن کرتی ہے ۳ منٹے کا دم بھرتی ہے
دنیا کس لئے دلال
جلمک جلمک دنیا ہے ۴ روشن گوشہ گوشہ ہے
میں گواں مژندہ ہوں ۵ کل جو دیکھو مردہ ہوں
میری قسمت مٹی کی ۶ میری دولت مٹی کی
ٹوٹے جیسے جام سفال!

۵۔ مارگریٹ اور فاوسٹ

[شیطان فلوٹ کو زندگی کی گونا گوں لذتوں سے آشنا کرتا ہے کہ ایک فعد راستے میں ایک لڑکی پر
فاوسٹ کی نظر پڑتی ہے جس کا نام مارگریٹ ہے۔]

فاوسٹ - مارگریٹ کو دیکھ کر
آہ کیا حسن ہے کیا اسکی طرح داری ہے
پاک معصوم طرح دار گل اندام حسین
عصمت حسن میں اک شوخی انداز بھی ہے
صبح کی طرح چمکتے ہوئے رخساروں
شمع الفت کبھی خاموش نہو گی مجھ سے
بیکر نور میں قدرت کی قلم کاری ہے
دلیر ایسا نگہ شوق نے دیکھا ہے ہیں
نیچی نظروں میں چھپی اک نگہ ناز بھی ہے
دھوپ کھلتی نظر آتی ہے چین زاروں میں
چشم مخمور فراموش نہو گی مجھ سے
یاد رکھ طرز ادا اے دل لالاسکی
کر گئی نقش عجیب چشم غزالالاسکی

نور افزائے زمیں نرگس بہار تھی کیا لبِ گلرنگ کی شیرینی گفتار تھی کیا
میرا ہنر نظر صد تر عنائی تھا اس کا ویدارتھا یا ہم جیسائی تھا!
فاوست - سُن میں اس نازنین کو حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ [شیطان آتا ہے]
شیطان - کون ہے وہ؟

فاوست - وہ جو ابھی اس راہ سے گزری وہ معصوم ہستی، وہ معصوم دنیا؟
جو معبد کو جا کر چلی آرہی ہے؟ میں اس کی ہی کرسی کے پیچھے کھڑا تھا
وہ عصمت کی دیوی، وہ قدسِ محرم وہ پاکیزگی کی سحر خیز شبنم
کہیں اس دل میں کثافت نہیں تھی اسے ان دعاؤں کی حاجت نہیں تھی
جیسا کہ مسم، قالبِ نور ہے وہ مری دسترس سے بہت دور وہ!

۶ فاوست مارگریٹ کے مکان میں

[شام کا وقت - چھوٹا سا پاک صاف کمرہ جہاں شیطان اور فاوست چپکے چپکے داخل ہوتے ہیں۔
فاوست کمرے کے چاروں طرف دیکھتے ہوئے۔]

فاوست - لے رنگِ شفق گنبدِ اختر بیہ رواں ہو لے نورِ ازل وقت ہے اب شعلہ فشاں ہو
یہ صومعہ حُسن ہے یا صبحِ لطافت غنچوں کی نمی اس میں پھولوں کی صباست
اے صلی علیٰ جملہ شرحِ شفقِ شام اک طورِ تنجلی ہیں محبت کے در و بام
عصمت کی شعاعیں ہیں لطافت کی ہوا میں دو شیرازہ ادائیں ہیں محبت کی فضا میں
اس جملہ قدسی کے در و بام تو دیکھو تنظیم کی ضو، جملہ آرام تو دیکھو

عسرت کی ہواؤں میں ہے زنگِ مہِ واختر ہے حُسن کی دولت سے فضا کتنی تو نگر!

[ایک چرچی آرام کرسی پر جو مہری کے قریب ہے دراز ہوئے فاوسٹ کرسی سے یو غائب ہوتا ہے] [آرام کرسی سے]

آغوشِ میلِ اپنی مجھے اے دوست چھپا اک بخود و محبوبِ محبت کی دُعا لے

معلوم نہیں کتنے ہی مصوم کو تو نے معلوم نہیں کتنے ہی مظلوموں کو تو نے

آغوشِ میلِ لطافِ عنایت ہے بالائے دوستِ کرم ہے کہ محبت کا اُجالا

شاید مرا محبوب بھی عصمت میں نہا کر مسرور ہوا ہو گا تری گود میں آ کر

[فاوسٹ مہری کا پردہ اٹھاتا ہے اور مارگریٹ کے بستر پر اس کی نظر پڑتی ہے۔]

بستر نہیں آغوشِ کرم جا اُماں ہے اک ہستی مصوم کا گہوارہ جہاں ہے

اس پر میرے محبوب کو فطرت نے بصدِ ناز بچپن سے دیا ہے نگہِ حسن کا اعجاز

بخشتی ہے جوانی اسے یاں عمرِ رواں پیالا ہے اسے گود میں حوراں جنّاں

[چند دنوں کے بعد فاوسٹ اور مارگریٹ کی ملاقات ہو جاتی ہے محبت کی پینگ بڑھتی ہے۔ مارگریٹ

فاوسٹ کے بازو کا سہارا لئے ہوئے ایک باغ میں ٹھپکتی ہوئی نظر آتی ہے۔]

مارگریٹ - میں جانتی ہوں آپ کو میرا خیال ہے ورنہ جہاں میں کیا مرا حُسنِ جمال ہے!

جس طرح اک مسافر خوش ذوقِ امتیاز رہتا ہے نائے و نوش کی لذتِ بے نیاز

مسرور ہیں جناب بھی اس خاکسار سے فصلِ خزاں عزیز ہے فصلِ بہار سے

فاوسٹ اک درِ سرِ جناب کو ناخوشِ نائے گا باتوں میں میری آپ کو کیا لطف آئیگا؟

کیا تجھ کو بتاؤں کہ تری لذتِ گفتار ہے میرے لئے راحتِ دلِ عشرتِ بیدار

شیرینیِ نعمہ ہے تری نرم صدائیں اک نورِ بصیرت ہے تری آبِ وہو میں

[مارگریٹ کے ہاتھ کو بوسہ دیتا ہے]

مارگریٹ - اپنے ہونٹوں کو نذیکے کبھی اتنی تکلیف
آپ کی قدر کے قابل نہیں دستِ حزن
کیجئے میری نگاہوں کی نہ تہی تعریف
آپ کے عشق کے لائق نہیں خیال کشش
[آگے بڑھتے ہیں]

[ایک دن مارگریٹ فاوسٹ سے یہ سوال کرتی ہے کہ وہ کلیسا میں جا کر نماز کیوں نہیں پڑھتا اور خدا کا نام کیوں نہیں لیتا؟ فاوسٹ جواب دیتا ہے]

فاوسٹ - کیا میری نگاہ میں جلوئے ترے آباد نہیں
کیا نہیں صاعقہ عشق سراپا میں تیرے
کیا مجھے حُسن کے خالق کی ادایا نہیں؟
کیا نہیں موجِ ازل حُسن کے دریا میں؟
برقِ عرفان تری زلفِ گرہ گیر نہیں؟
پہلے اس قوتِ جاوید کو اپنا کر لے
اور جب جوشِ محبت تجھے گرما جائے
نام اس کا ہی سمجھ قلب سے جو آئے صدا
دل ہوش خرد رحمتِ جاوید خدا
تجھ میں کیا خالقِ کونین کی تصویر نہیں؟
دل میں اس صاعقہ حُسن کو پیدا کر لے
رکھ لے جو نام خدا کا تجھے یاد آجائے
عشق دل ہوش خرد رحمتِ جاوید خدا

[عالمِ اصغر کی سیر کرتے ہوئے شیطان فاوسٹ کو رات کے وقت بارگڑ کے عظیم سلسلہ کو ہماریں لہجاتا ہے
فاوسٹ پہاڑوں میں چشموں اور جادو کی روشنیوں پر یوں نظر سار خیال کرتا ہے -]

فاوسٹ - پہاڑوں میں چشموں کی دیکھروانی
تماشہ مچلنے کا دکھلا رہے ہیں
ابلتا ہے دریا سے جوشِ جوانی
بہے جارہے ہیں یہے جا رہے ہیں
یہ شورش نہیں نعمۂ جانفزا ہے
بہشتِ بریں کی صدا آرہی ہے
محبت کے پردوں کی آواز سننا
گذشتہ زمانے کی جھک کرا آئی
[چشمہ پر]
ابھی چاہتا ہوں بہت روزِ چینا
”بہار آفرینا بہار آفرینا“

[پہاڑوں، دختروں اور غاروں میں جادو کی روشنیاں مچل رہی ہیں -]

فَاوِٹ - گو صبح کی شفق کی طرح دل لہجاتی ہے
[رہتی پر] یاں بچھاؤاں غبار، بہا جش و اں ترو
کیسی اُداس روشنی غاروں کی آتی ہے
یاں خاک خوشاں ہے تو وَاں شعلہ پوش
پچھلے پچھلے جاں جل ہی ہیں کہیں رنگ نور کی
اور بھلیاں کہیں ہیں فصائے بلور کی
جب موج شعلہ ریزہ زماں گزرتی ہے
سونے کی ریت گویا زمیں پر بکھرتی ہے!

جادو کرنی - [فاوِٹ کو عجائبات کی ایک دوکان نظر آتی ہے جسے ایک جادوگر نے لگا بیٹھی ہے جادوگر نے کہتی ہے:]

صاحبو میری دوکان سے یونہی آگے نہ بڑھو
ہر طرف دیکھنا موجود ہے سامان نیا
اور نہ دیکھے ہوئے ساماں کوئی بیڑھنی چڑھو
ہر قدم پر نظر آتا ہے اک ارمان نیا
زحمت و ہر کی ہر چیز ہے ناپیز کے پاس
ایک طوفان نظر ہے مری دہلیز کے پاس
کوئی خیر نہیں لیا جو نہیں ہے خوشخوار
جام میں ہر ہے شمشیر میں غداری ہے
کوئی تلوار نہیں جو یہ کہیں گاہ خفی
جام کوئی زیور کوئی گو ہر نہیں دوکان میں ی
دش و دشمن پہ پس پشت سے ماری نہ گئی
عصمت و حسن کی جس سے کبھی عزت نہ گئی
دستِ انساں کے بچھا ہوئے جالے ہیں یہ

قید خانہ

[آخری منظر شیطان فاوِٹ کو ایک سال تک ترفیبات و نیوی کا شکار کرتا ہے۔ مارگریٹ جو اس وقت ایک بچہ کی ماں ہے اس کے دل سے فراموش ہو جاتی ہے۔ ملک کا قانون مارگریٹ کو ناجائز شادی کے الزام میں گرفتار کر کے قتل کی سزا سناتا ہے۔ فاوِٹ کو خبر ملے ہی وہ شیطان کی مدد سے قید خانہ جاتا ہے تاکہ مارگریٹ کو بچھا کر لے جھاگے غمزدہ اور دیوانی مارگریٹ رات کے وقت فاوِٹ کو قید خانے میں آنا ہوا دیکھ کر اُسے کوئی قاتل سمجھتی ہے]

مارگریٹ کسے بھیجا ہے یہاں اسے تم ایجا دیجھے؟
کیا سنائی نہیں دیتی مری فریاد تجھے؟

ایک قاتل کی طرح رات گئے کیوں آیا؟ کس طرح تو نے مری قید کا رستہ پایا؟
 نصف شب اور مجھے عمر کا غم کھانے دے صبح کا نور تو آنکھوں کو نظر آنے دے
 نوجوانی مرے قدموں سے لگی ہے اب تک کمسنی میرے لئے جاگ رہی ہے اب تک
 اس گھڑی موت کا بیغام چلا آتا ہے کنگرہ عرش کا وہ دیکھ ہلا جانا ہے!
 [پھر عالم نیم دیوانگی میں بھی فادٹ کو پہچان کر اسے اپنے بچے کے خبر لینے کی ہدایت کرتی ہے جو جیل میں پھینک دیا گیا ہے اور

قید خانے سے بھاگ نکلنے سے انکار کرتے ہوئے کہتی ہے]

مارگریٹ -

یہ آخری سحر ہے مری عمر تلخ کی اب ٹٹار ہی ہے مری شمع زندگی
 یہ دن مری حیا میں شادی کا نور تھا یہ نورِ جہاں نورِ تھا عشرتِ فزور تھا
 دیدارِ بار ویکھ کسی سے بیاں نہ کر یہ نقدِ زندگی ہے اسے رائگاں نہ کر
 اب بونٹا سن کے شرمائے بھول وہ دیکھ میرے ہار کے مرجھا گئے بھول
 اب وقتِ منتقم کی نوازش نہیں رہی اب عشرتِ حیات کی خواہش نہیں رہی
 وہ دیکھ اضطرابِ تماشا و خلفشار اہل جہاں کو موت کا میری انتظار
 اک چادرِ سیاہ مے سر پہ ڈال کے قاتل کھڑا ہوا ہے وہ آنکھیں نکال کے
 مشکلیں گسی ہوئی ہیں تو بازو اسیر ہیں اعضا شکارِ معرکہ دار گوئی رہیں
 شمشیرِ تیز سر پہ مرے لیے پیام ہے اک جرمِ خاص یہ تماشا عام ہے

آنسو نہیں، تیش نہیں، آہ و فغاں نہیں

خاموشی عدم ہے فضا ہے جہاں نہیں!

[اسی بحث میں سویرا ہونے کو پہنچان فادٹ کو کلیسا سے بھینچ کر اڑ جاتا ہے۔ مارگریٹ فادٹ کا نام لیکر پکارتی ہے غیب سے
 آواز آتی ہے۔ مارگریٹ کی نجات ہو گئی!]

بدر۔ ابوالکلام ڈاکٹر محمد بدر الدین ایم بی بی ایس عثمانیہ

حسن، عشق اور رومان کے رنگین مزاج، رنگین خیال شاعر ہیں۔ جذبات کی رویں اس طرح بہتے ہیں جیسے کوئی خوش گوشتی یا کشتی بانی کشتی کھیتے ہوئے موجِ رواں کو نغے پلاتا ہو۔ سلاست اور روانی ان کے نغوں کی جان ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شاعر ہر حال میں شاعر رہتا ہے۔ نظم کیے پوست استخوان میں رہ کر بھی انہوں نے شعر کی روحانی نگاہ پر مادیات کے پردے پڑنے نہیں دیے۔ ان کی افولگی نظم ”جراثیم“ میں انکا ”تحقیق کا گل کھلانا“ قابلِ داد ہے۔ اپنی شیریں بے تکلفیوں کے ساتھ جہاں وہ زندگی کی نبض پر ہاتھ رکھتے ہیں لطف جاتا ہے۔ پھول کی سرگزشت، دلہن اور سورما میں بدر کی چاندنی خوب کھلی ہوئی ہے۔

پھول کی سرگزشت

ظلمتِ شب ہے لرزاں دلِ نازک میرا مجھے تاروں کی چیچک نہیں بھاتی اصلا
کانپتا ہوں جو فلک پر کوئی تارا ٹوٹا حسرت آلودہ ہے کچھ آج فلک کا چہرا
اوس پڑتی ہے سسل کہ فلک روتا ہے
صبح تک خیر نہیں دیکھنے کیا ہوتا ہے
آہ فطرت نے مجھے آنکھ کا تارا سمجھا تنہا کُل تحفِ امرے واسطے اک گہوارہ
بھونکے دیتی تھی وہ جگل کی پری ٹھنڈی ایسے نازوں میں واوی میں پلا اور ما
رُس جو ٹپکا تو مرے داغِ جگر دھلنے لگے
حوصلہ بڑھنے لگا بندِ قُب کھلنے لگے

سانس چلنے لگی رحمت کی ہوا آنے لگی رنگ چڑھتا گیا صورت مری شرمانے لگی
ویدہ بازی مجھے خورشید کی کچھ بجھا لگی خود نمائی مرے نیزنگ کو جھلکانے لگی

ہائے ایسے میں کوئی کیوں مجھے برباد کرے؟

تن بہ تقدیر ہوں گلچیں کو خدا شاد کرے

صورتیں وہ کہ کریں توجہاں بھی تعریف موت کے ہاتھ نے چھینا تھا جنھیں نکلے
رگ و ریشہ میں مٹی کے وہی خون شریف مجھے دیکھو کہ اُسی خاک کی ہو روح لطیف

لاکھ جانیں ہیں نہاں ہم سے بھی بے جانوں میں

دور ترقی بھرتی ہیں رو میں مری شربانوں میں

چیر کر دل مرا کوئی تو متا شاد دیکھے کتنے جلوے ہیں مگر طور پہ سینا دیکھے
مری اس نعتی سی ہستی میں کیا کیا دیکھے دیکھنے والا اگر دیکھے تو دنیہا دیکھے

ہوں تو ہنس مکھ ہی مگر چاک ہے سینہ میرا

یہ بھی اک راز ہے کانٹوں پہ ہے جینا میرا

کیا وہ جینا جو نہ ہنگامہ ہو برپا یارب ایسے جینے سے تو بہتر ہے جینا یارب
حسن کو بزم بنا عشق کو گراما یارب خیر یوں ہی سہی گر ہے ترا منشا یارب

عشق کو آگ میں جلنے کے لئے پیدا کر

حسن کو خاک میں ملنے کے لئے پیدا کر

سحر کی نیند

قمر غریب مسافر ہوا ہے ست قدم کئی ہے آنکھوں میں شب اور ہے خوابِ عالم

وہ روشنی بھی ستاروں کی پڑ گئی مدھم وہ گر کے فرش پہ سبزے کے ہو رہی شبِ منم
 سحر کے وقت مزائیند کا جو آنے لگا
 چراغ طور بھی جھونکوں سے بھللا لے لگا
 الہی کیا ہے کہ ہے محفلِ جہاں خاموش تڑپ تڑپ کے ہوا ہے مرضِ جاخاموش
 حرمِ ناز میں ہے سازِ مہوشاں خاموش بھرک بھرک کے ہونی شمعِ خوشاں خاموش
 الہی ہوش رُبا ہیں یہ برکتیں تیسری
 شراب بن کے اُترتی ہیں تمہیں تیسری

شاعر

کوہ کے چہرے پہ ہے حشت سی کیوں نہ جھٹائی ہوئی
 کون ہے جوفِ کرنا معلوم سے گھلتا نہیں؟
 حُسن کا جی ڈو بتا ہے اور سرگرداں ہے عشق
 ذرے ذرے کو نمودِ حُسن کی تھی کیا امنگ
 بیٹ دو جا کر دُھند اور امصر کے بازار میں
 حُسن کو زندہ کروں رنگینیِ تصویر سے
 ذرہ کو نورِ شید کی تابندگی دیتا ہوں میں
 دیکھ لیتا ہوں معنی کو صدا ہے چنگ میں
 ہے دمِ عیسیٰ جھلکتا تیرے ہر کردار سے
 خود شناسی کا خدا اگر تو سکھلا دو مجھے
 پہول کی نازک سی صورت کیوں نہ جھٹائی ہوئی
 ننھے ننھے کے ہیں کیوں سب بند کچھ گھلتا نہیں؟
 روز و شب کا دیکھ کر انجام کچھ حیراں ہے عشق
 موت کا نقشہ چو دیکھا اڑ گیا چہرے کا رنگ؟
 زندگی ہر روز رہتی ہے مری سرکار میں
 رنگ و بو کو باندھ دوں الفاظ کی زنجیر سے
 پتی پتی کو چمن کی زندگی دیتا ہوں میں
 آنکھ میری دھونڈ لیتی ہے صنم کو سنگ میں
 موت کو ٹھکرا رہا ہوں شوخیِ رنستار سے
 میرے دل کی نہ میں کیا ہے کوئی بتلا دو مجھے

ہاں مگر صدیوں کے سوز و ساز کا حاصل ہے یہ
 ارتقائے رنگ و بو کی آخری منزل ہے یہ
 شور و شبنوں سے بزم کی بیزا جب ہوتا ہوں میں
 دل کی گہرائی میں ڈوبا چین سے سوتا ہوں میں
 شادی و غم اپنی ہستی کو مگر کھونے لگے
 بے نیازی کے تبسم میں یہ گم ہونے لگے

مرنے جینے سے بھی اونچی ہے کہیں میری نظر

اور ہی منے یا الہی منبرے پیامہ میں بھر

بحر انیم

بحر انیم میں بھی طرہ جدا یاں ہیں
 فضا میں فضا کی یہ چنگاریاں ہیں
 یہ افشاں سے ہیں کاکلِ غنبریں کے
 شریحہ یہ تارے جھججہ بریں کے
 انھیں بالنا ناز برداریوں سے
 بڑی کاوشوں اور بیداریوں سے
 بہت تجربوں سے یہ پائے ہوئے ہیں
 یہ تحقیق کے گل کھلائے ہوئے ہیں!
 یہ لڑیاں ہیں ان کی کہ موتی کے دانے
 انھیں شکل پیاری عطا کی خدا نے
 یہ افسی ہیں یا موت کے نامہ بر ہیں
 سنم کوشِ فطرت کے تیرِ نظر ہیں
 رگ و ریشہ گویا ولایت ہے ان کی
 قضا کا ہر اولِ سرایت ہے ان کی
 کھلے بند دل کوئی کوئی لگتا میں ہے
 وہ جیتا بچے کب جو سہل ہے انکا
 ہر اک فردان میں کانگیں ادا ہے
 سکندر کوئی سحرِ ظلمات میں ہے
 اُغاب دہن زہرِ قاتل ہے ان کا
 اگرچہ ہے ظالم بڑا دلربا ہے

رگِ جاں کا دشمن یہی ناز میں ہے

جلالِ مشیت بھی کتنا حسیں ہے!

راج کمارِی

تمکنت ناز و ادا اور وہ بانی تیری . حُسن پر ایک قیامت ہے جوانی تیری
کنکنی نگین ہے طفلی سے کہانی تیری . دعوتِ دار و رسنِ زم بیا فی تیری

تیرے مشتاقوں میں ہے نغمہ آہنِ برِپا
تیرے ابرو کے اشاروں نے کئے رنِ برِپا

ناز کی وہ ہے کہ موجِ نفسِ گل سے سوا . غیرِ حُسن کہ خورشید نہ دیکھے چہرا
اتنی مغرور کہ خاطر میں نہ آئیں راجا . تیرا کاشانہ ہے کچھ بامِ فلک سے اونچا
دل ہمالہ سے قوی تر یہ ہے نازک اتنا

دونوں آنکھوں سے رواں تباہیں لگنا جھنا
سُورما کھچ کے چلے ہیں ترادولہ لینیے
ہاراک بار گلے ڈال کے تو ہمارے
اپنے شوہر کی رضا جوئی ہو منظور کجھے
آہستہ بات تو ناموس پہ تو نذر چڑھے

آبرو تیری ہو جانبِ ازوں کی تلواروں پر
تو کرے رقص دہکتے ہوئے انگاروں پر

تو ہے وہ پھولِ تنہاؤں سے جو آئے نظر . جو بڑھے راجا و پر جا کی دعائیں لے کر
روز و شب در پہ نگہبان ترے شمعِ مگر . ابرِ رحمت ہے کہ آکاش کا منڈلِ مگر

مایہ ناز ہے تو قوم کی پیاری تو ہے
دیس کی نورِ نظر راجِ دلاری تو ہے

دکن

ہند کی تو اے دکن ابھری ہوئی روشن جمیں
تیری مٹی سو نکھتا تھا عارفِ گیسو دراز
بھاگتی تیری ہوا جب آسمانِ پیر کو
چرخ نے بھولے نہیں ماضی کے افسانے منور
سر بسر خاموش نعمتِ تیرے میدانوں میں
اشک بھرتا ہوں جا کر آبشاروں میں تر
کھب گئی اغیار کی آنکھوں میں زرخیزی تری
تیرے جگل ہیں مطلقہ وادیاں سرشار ہیں
سادگی ووشیزہ صورتِ تیرے کاشاؤں میں
چاندنی راتیں تری پر کیف اور ٹھنڈی ہوا
دل فریب ایسی بنائی تھی نے تیری سزمیں
تیرے سایہ میں بڑھا ٹپوشتہ قاتلِ نواز
گو میں تیری سلا یا شاہِ عالمگیر کو
شاہ نامہ پڑھ رہے ہیں تیرے ویرا ہنوز
شاعری کی جان گویا تیرے پیماؤں میں
ہوں نفس میں خوش کہ ہے یہ سبزہ زاروں میں تر
روکشِ خلدِ یریں شانِ دلاویزی تری
ندیاں سیلاب گوں تیرے گلے کا ہار ہیں
حسنِ قدرت کی ضیاء تیرے تبتانوں میں ہے
سیرگاہِ حضرتِ باری تری رنگیں فضا

چوں کہ بودی از ازل تو ہمچنین تابندہ باش
اے دکن آزاد باش و شاد باش و زندہ باش

شباب کی بنائی

میں تہرہوں میں برقِ طوفانِ بلا ہوں
بینابیِ مستیِ مریِ رگِ رگ میں بھری ہے
اس پر نفسِ گل سے نزاکت میں ہوا ہوں
کھینتی یہ زمانہ کی مرے دم سے ہری ہے

سایے میں ستاروں کی لطافت میں فضا کی
 وادی میں ہو سبزہ طرب انگیز فضا ہو
 اور کوہ ہوں ایسے کہ جو جھگل سے ہرے ہوں
 کھا کھا کے ہوا دشت بھی سرشار بنا ہو
 اس پر طرب کوہ ہو دریا کی روانی
 گہا بر بہاراں پہ چلے میسری سواری
 حیراں مری سیما بوشی پر فلک پیر
 تھا میری طبیعت کو تجسس کا جو لپکا
 متانہ روش میری لبھاتی نہیں کس کو
 اونچا ہے مرا سب سے نشان روز ازل سے
 بھاتی ہے مرے دل کو اد اشام و سحر کی
 چاہوں تو نگینے میں سیلماں کو دکھاؤں
 مبدان و غاکو ہے مرے دم کا سہارا
 مرنا مرا مرنا کہ پھر اک حشر بپا ہو
 جینے کو تو جی جاتا ہے انسان ہر طور
 پیری کی میں دانائی و بینائی سے گذرا
 ڈھلنے کا سماں مجھ کو دکھانا نہ الہی

ہر جامے جلوے میں یہ قدرت ہے خدا کی
 لہرائیں علم بچو لوں کے، نو خیز ہوا ہو
 جھگل کے شجر سارے شکوفوں سے بھر ہوں
 خورشید جہاں تاب نمودار ہوا ہو
 کہتے ہیں اسے شاہد فطرت کی جوانی!
 کہ تخت مرا لیکے اڑے باد بہاری
 نیزنگی تقدیر مری چال کی تصویر
 جنت میں بھی سامان نہ تھا میری تزیں کا
 یہ شان تکبر مری بھاتی نہیں کس کو؟
 ہے حضرت یزداں بھی جواں روز ازل سے
 رنگین ہے دنیا مری رنگین نظر کی
 چاہوں تو ستارے میں بھی توڑ کے لاؤں
 میں تاج حسن تباں سمن آرا
 جینا مرا جینا کہ قیامت بھی فدا ہو
 سچ ہے کہ جوانی میں ہے جینے کا مزا اور
 دنیا کی حقیقت کی میں گاہی سے گذرا
 اس تخت سے نیچے مجھے لانا نہ الہی

و اُم رہیں قائم مرے ہر حال خط و خال
 باد رہوں جواں مرگ جواں بخت جواں سال

شکست

قدم قدم پہ کلفتیں جہاں بے تباہی
ہے ایک دل ہزار غم اگرچہ اس کی ہر
الہی! صبر آزما ہے کشمکشِ حیات کی
بگرمے غور کو شکست ہو تو حیف ہے
یہ زندگی تو اصل میں امنگ ہی کا نام ہے
امنگ ہی جو مٹ گئی تو زندگی تمام ہے
الہی! دل وہ دے کہ بات بات پر محفل کے
الہی! دل وہ دے کہ رُخ زما کا بدل سکے

الہی! دل وہ دے کہ کارزار میں بولہ
تڑپ تڑپ کے جان دو پہ سر زنگولہ

دلہن

تو کہ بیٹھی ہے مسہری پہ نکالے گھونگٹ
نیچی نظروں سے ذرا دیکھ تو گھونگٹ کو الٹ
یوں نہ گردن کو جھکا لے مری پا کر آہٹ
میں سناؤں تجھے مٹ جا جو دم بھر تڑپاٹ

سُن! ادیا عشق و نسیم دہر کا پھینٹا تو نے
پھول دے کر مجھے کانٹوں میں گھینٹا تو نے

چھوڑا بچپن نے ہمیں عقد کا تختہ دے کر
کس مصیبت میں چھپا یا ہمیں دنیا دے کر
سُریہ و ستار بندھائی ہے تو سودا دے کر
بابِ اسجد کا ہوا ختم تمنا دے کر

آنکھ لیں وہ عبارت کہ تھی دل میں ملفوف

آ کہ اب مل کے جڑیں عشق و محبت کے حروف

بھولی لڑکی تجھے معلوم ہے دنیا کیا ہے؟
گھائیوں سے کہیں دشوار گداز کس کا ہے

سر پہ ٹھلیا ہے بڑی دور مگر چشمہ ہے ساتھ میں بھی تو چلوں کا تجھے کیا پرواہ ہے
 باندھ ہمت وہ چٹانوں کو بھی جو نرم کرے
 سُر و مہر ہی جہاں اور بھی دل گرم کرے
 سن مری موہنی اے سانولے کھڑے والی دل کے بہلانے کو خالق نے تھی موت ڈھالی
 میں تھا بے چین کیلا مجھے یہ دکھ والی پھر تو وہ پیار کی باتیں ہوئیں بھولی بھالی
 سر پہ سجدہ ہیں ملک جھوم رہی ہے فطرت
 دیکھتا ہے ہیں کس پیار سے ربُّ العزت
 وجہ تکوین بھی شاید ہوں ہی راز و نیاز اپنی تخلیق ہے خالق کے لئے مایہ ناز
 زندگی جوڑ سے ہوتی ہے لچکدار و گداز اس میں پوشیدہ ہے انسان کی تکمیل کا راز
 اپنی الفت کو ہم اب زندہ جاوید کریں
 آگہ فردوس کے اقرار کی تجدید کریں
 اپنے سنار کی دیوی میں بناؤں گا تجھے لطف کی چھیڑ سے خوش ہو کے ہنسناؤں گا
 تو اگر روٹھے تو ہنس ہنس کے مٹاؤں گا تجھے مجھے رونا ہو تو رو رو کے رلاؤں گا
 ہم جو دنیا میں ہم مونس و یاور ہوں گے
 عالم قدس سے پھر بھول بچھاؤں گے

سُورَا

پشت پر ڈھال ہے اور زیب مکر تیز کٹا ایک ناگن ہے ترے ہاتھ میں ننگی تلوار
 وہ جیلا ترا گھوڑا ترے کس بل پہ نشا کوئی دیکھے ترے اس رنگ جوانی کا نکھار

تو ہے رنیر تجھے زن میں مزا آتا ہے
 ایک دہا ہے کہ مقتل میں چلا آتا ہے
 خوں چھلکتا ہے جس میں وہ ہے ساغوتیرا
 موت کے منہ میں چکنا چارہ اختیار تیرا
 شوقِ شہرت میں مگر چھوٹ گیا گھڑ تیرا
 حُسن والوں کے لئے وقت ہوا سرتیرا
 نیم بسمل ہے شہید نگہ ناز ہے تو
 بیچ تو یہ ہے کہ فقط عاشقِ جان باز ہے تو
 عشق نے بھیجا ہے میدان میں تجھے دیکھ علم
 حُسن کے در سے بڑھتا ہوا آتا ہے قدم
 جھونکے اُس سمت کے رکھتے ہیں تجھے نازم
 تیرے خنجر میں عیاں ابروئے خوار کا خم
 تیرے قاتل کی لگا ہوں کی ادا تیر میں ہے
 آگ جو دل میں لگی ہے وہی شمشیر میں ہے
 دے اماں جانوں کی باز رہی شوکی دور
 سایہ تیغ کے دل ہیں کہ گھٹا ہے گھنگھور
 جا پڑا تو، تو اٹھا فورجِ مقابل سے شور
 اک ترے دم سے لڑائی کے وہ طوفان زور
 زخم کھاتے ہی وہ بل کھا کے بڑنا تیرا
 جوشِ مستی میں غضب جھومتے لڑنا تیرا
 یک بیک خیر منانے لگے تیری ملکوت
 تیرے گر کر وہ تڑپنے پہ ہے لشکرِ مہوت
 بڑھ کے آتی ہیں شعاعیں کہ اٹھائیں تابو
 چھا گیا رزم کے بازار پہ دم بھرا سکت
 ہیں گوں سار علم محو ہوا چسرخ کہن
 فاتحہ پڑھنے لگی تیرے لئے خاکِ وطن

ریل گاڑی

ہے اُس کا تڑپتا ہوا دل شعلہ مضطر
 یا ابرسیہ ہے کہ گرجتا رہے پیہم
 اوبانگ برس سُن کے ہوئے دھنگ نزلے
 منظور ہوا کیا سے اک جائے پر رہنا
 جنوں کی طرح صبح و سنا پھرتی ہے بن
 وہ کوہ سے اترتی تو ترائی میں در آئی
 جھگ میں گھسی اور کلیلیں لگی کرنے
 دم بھر میں گذر جائے پرے دشت و جبل
 یا خون کرے گشت کسانوں کی رگوں میں
 ضرر ہو مقابل تو ہوا اس کی نہ پائے
 نازک کمر ایسی کہ لچکتی رہے ہر دم
 وہ شانِ دلاویز شجر اور حجر کی
 یہ دشت یہ گلگشت یہ وادی یہ فضا کیا
 اس کشش دہر میں دشت اوہے کتنی
 دھن ایسی کہ اک بار جو ہو جائے روانہ
 ہر کام سلیقے سے جو کرتے ہیں جہاں
 یوں آہنی آئنا پر عمل چھوڑ کے جاؤ

شوریدہ سر ایسی کہ قیامت لئے سر یہ
 یا ہے دل صد چاک و صرکتا ہے جو ہر دم
 چپ چاپ تھی اب پیٹ سے پاؤں نکالے
 محو رہ چلی گھومتی چھوٹی سی یہ دنیا
 کہسار پہ دیکھو تو ہے بھینکارتی ناگن
 کھیتوں سے گزرنے لگی پل سے اتر آئی
 میدان میں آئی تو پالنے لگی بھرنے
 رفتار میں ہے تیز قدم بیک اجل سے
 یا نبض کرے حیات جو انوں کی رگوں میں
 یاد دل جو دواں ہو تو یہ سایہ میں نہ آئے
 ہے سینہ بے تاب میں اک کوہ کا دم خم
 گلکاریاں بھاتی ہیں مجھے شام و سحر کی
 اک چین ہی حصہ میں نہ آئے تو بھلا کیا
 یہ طوق و سلاسل میں بھی آزاد ہے کتنی
 پلٹے نہ یہ پھر چاہے پلٹ جائے زمانہ
 اک راہ مقرر سے گزرتے ہیں جہاں میں
 جو مٹ نہ سکیں نقشِ قدم ایسے جماؤ

برقی۔ ابو الفتح محمد نصر اللہ بی (عثمانیہ)

[ان کا دماغ ریاضی داں ہے اور دل شاعرانہ رکھتے ہیں۔ ان کی شاعری گوشن سخن کی رہن منت نہیں لیکن ذوق اور خوبی کی حامل ہے۔ مزاج میں استغناء ہے، کبھی کبھی زندگی پران کی ایک تلخ نظر پڑ جاتی ہے۔ فلسفے کو شاعری کے ساتھ عمدگی سے امتزاج دیتے ہیں۔ "فلسفیوں کی محفل" والی نظم اسکی شہادت ہے۔ اپنے شاعرانہ ماحول اور علم پرست خاندان کی وجہ سے ان کا مذاق سخن ننھرا ہوا بھی ہے اور زندہ بھی۔ لطافت خیال اور زبان سے اچھا کام لیتے ہیں۔ اگر کیسوی کے ساتھ شاعری کی طرف مائل ہوتے تو بہت ترقی کر سکتے تھے]

شاعر کی پہلی دعا

ابھی جلووں کی کثرت سے دہان نظر بھردے
میری آنکھوں میں نورینیش شمس و قمر بھردے
تجلی زار کر دے دل کو اپنی جلوہ باری سے
مرے اس خانہ تاریک میں نور سحر بھردے
مئے نو کو عطا کر کیف صہبائے کہن یارب
دہان غنچہ نوخیز میں لعل و گہر بھردے
ترنم کا عطا کر کیف میری عنسم نوائی کو
میری آواز میں یارب مراد و جگر بھردے
پلٹ دوں دوں گیتی کو الٹ دوں چرخ گردو
مرے پیہان میں ایسی مئے وشت از بھر بھردے

یہیں جاں بخش مردوں کیلئے برقی کے ہنگامے

زبان میں صور اسرافیل کا یارب از بھر بھردے

نقش و نگار طاقِ نسیا

پیار کی باتیں لطف کے دن و مَجھلِ عشرتِ یاد نہیں
بھول نہ سکتے تھے جس کو وہ عہدِ سرستِ یاد نہیں
مر مر کر پایا تھا جسے وہ گوہرِ ہستی کھو بیٹھے
جیتے تھے ہم جس کے لئے وہ دردِ محبتِ یاد نہیں
مستیِ زکسِ خواب سہی اور نگہمتِ کاکلِ افسانہ
وہ خواب و فسانہ بھول گئے وہ کیفِ وہ حالتِ یاد نہیں
سنئے تو ہیں اے حضرتِ دل تھے آپ بھی زندہ و رہم بھی
اب اپنا وہ عالمِ یاد نہیں وہ آپ کی صورتِ یاد نہیں
وہ دل ہی نہیں دن ہی نہیں درد نہیں ذوق نہیں
وہ لطفِ شکایتِ بھول گئے وہ شوقِ حکایتِ یاد نہیں

بیت سے اے برقی محرومِ دل میں کسنا ناسا
وہ ذوقِ تپش وہ دردِ دروں وہ درد کی لذتِ یاد نہیں

دل کی فساد

گراں دیوارِ آہن اور کڑی پاؤں کی زنجیریں
ہیں صرف کوششِ ناکام میری رتی تدبیریں
اب اپنی ہستی ناکام کی رُوداد کیا لکھوں
میں اس قیدِ فرنگِ عقل میں جینے سے عاجز ہوں
نہ اب وہ حسن میں جادو محبت میں وہ پاک
حیدر آباد میں لڑائی نہ موسیقی میں غنا کی
حیدر آباد میں فلک تو دے بنے ہیں سنگِ آہن کے
ہوئی ہیں حسنِ فطرت کی عجب کی کیفیتِ تعبیریں
خدا میری عقیدتِ کل نہیں بے رنگِ تصویریں
دوم عاشق پہ میں پابندِ عقلِ میاست کی
محبت میں نہیں وہ رُوحِ انسانی شرافت کی
لیاس آدمی میں جلوہ گر ہے رُوحِ شیطانی
خداوندِ ایدہ کب تک عقلِ پرفتن کی ستم رانی

مجھے کچھ لطف اس دُن کی دنیا کے اٹھاؤ
مجھے دھوکوں میں رہنے دے مجھے دھوکے کھائے
الہی بچہ عطا کر آدمی کو جہل کی برکت
کہ اس گستاخ کے ہاتھوں میری لگئی رات
اگر نوا و اقصیت باعث آرام عالم ہے
تو علم اسم اعظم بھی یہاں ایک نامِ اعظم ہے
رُخ خورشید سے بادل کا یہ نہ کام چھوٹ جا
ضرورت ہے کہ بچہ یونان کا طبقہ الٹ جائے

عبث ہو گئی نجاتِ آدمی کی ساری تدبیریں
نہ جب تک محو ہوں سب صفیہ عالم کی تحریریں

فلسفیہ کی محفل

[نوٹ۔ دنیا کے تمام فلسفی تکین کے متلاشی ہیں جو انسان کو میٹھی نیند سلا دیتی ہے اقبال کا فلسفہ حیات آفرین ہے سونوں کو جگانے والا ہے۔ اس نظم میں مختلف فلسفیوں کے نظریات پیش کئے گئے ہیں اقبال کے فلسفہ حیات میں دوسرے فلسفیوں کا ایک حد تک تردیدی جواب بھی موجود ہے۔]

ابراہیم ادھم کا بیٹا

اے زمرِ زمہ سب خانِ طرب میری سوچ
اے نوحہ سرایانِ الم مجھ سے کہو کچھ
ہاں میری نصیحت سے خیر ہو کے نہ ہو کچھ
ہاں میری تسلی کا اثر لو کہ نہ لو کچھ
دنیا کو سراہا ایک اُتر پڑنے کی جانا
اک بات ہے حق کی اسے مانو کہ نہ مانو

اس ہستی فانی کی بہاروں پہ نہ جانا
اس گلشنِ خوش رنگ کے دھوکوں میں نہ آنا
دور روز کی دنیا کا یہ رنگیں ہے فسانہ
گو عیش کی ہستی ہے نہ کچھ غم کا ٹھکانہ

ہر رنگ کو گردش ہے طرے کہ الم ہے
پایندہ بس اک دورِ تغیر کا علم ہے
کس بات پہ بھولا ہوا اس باغ میں تو
ہستی نہیں تیری گل خوش رنگ کی بو
اک قطرہ شبِ نیم ہے جو خوشید بہ رنگ
یا ٹوٹنے والا تو حباب لب جو ہے
دو دن کی بہار و بستانہ دل اپنا گاہ
صدے سے خزاں نہ بھراں لکھ دھواں
اس دار کے دیوار سے ہٹ گنبد و چھوڑ
اس باغ کے گل چھوڑ نہ چھوڑ نہ چھوڑ
یہ سیم و غل چھوڑ زرع و گل چھوڑ
یہ فتنہ و شر چھوڑ زن و دخت و پس چھوڑ
تنہائی میں کر بیٹھ کہ حل راز یہاں کا
نہایت کھلے جھل میں طلسمات جہاں کا

پیامِ حکیم

ہیں راز بڑے دہرِ پافسوں کے پرانے
حل کر نہ سکے جن کو حکیم اور سیانے
کچھ ساقی و مطرب کے سنایا رنایا
کم وقت ہے دوچار تو حم وید لندھانے
اس ذکر کے سننے کی نہیں مجھے فرصت
جو دم کہ گزرتا ہے غنیمت ہے غنیمت

آئینہ صفت رنگ سے تیور پہ نہ بل آئے
دل صورتِ گل خار کی کاوش سے کھل جائے
مانا کہ یہ دنیا ہے مصائب کی فقط جائے
رکھ عرش پہ دل ٹھونڈنے سے غم نہ جیسے پائے

رہ صورتِ پیمانہ تو مخمورِ مسرت
اور عیش کی دے داد جو گردش میں ہو

خدا میں تیرے رشتہ کا تاجہ سہاگہ دیکھ
چو گوشہ میں افسر شاہی کی دھاگہ دیکھ
ہے خاک نشین تو مگر انوارِ فلک دیکھ
تاریکی شب میں مہ و انجم کی چمک دیکھ
اس عقل الم کوش کو ساغر میں ڈبو دے
سب کلفتِ دیرینہ بس اک جرعیں دھو دے

ویدانتی کا فلسفہ

کچھ پوچھ نہ اے دوست کہ کیا راز ہے عالم
اک خوابِ مسلسل ہے نظر آئے چو پیہم
تصویرِ خیالی ہے جو کچھ دیکھتے ہیں ہم
یا عکسِ تصور کہ جو ہو دھم و برہم
ہم دیکھتے ہیں اپنے تصور کے اثر کو
یہ اصل حقیقت ہے کہ دھوکہ ہے نظر کو
اس مزرعِ بے بود میں بویا بھی تو پھر کیا
اس بازی بے سود میں کھویا بھی تو پھر کیا
اس غمکہ و ہم میں رویا بھی تو پھر کیا
اس عالمِ تصویر میں سویا بھی تو پھر کیا
اس خرمن بے اصل کا حاصل تو ہے معلوم
پھر تو ہی بتا رنج و تعب کا ترجمہ معلوم

اقبال کی دعوتِ عمل

انسان جو اس بزم کا اک رکنِ کریں ہے
جو اشرف مخلوقِ سماوات و زمیں ہے
مسجودِ ملک کست گرہِ عرش بریں ہے
کیا اپنے فریضہ سے وہ آگاہ نہیں ہے

معیارِ شرف کنجِ قناعت نہیں اس کا
مقصودِ اتم رنج و مسرت نہیں اس کا
بلبل کے لئے ہے کہ کرے نغمہ شکاری
تو شمعِ صفت کرنا ہے کیوں گریہ و زاری؟
تو گوشتِ عدالت میں کرے عسکر گزاری!
جو کام کہ کرنے ہیں تجھے کام ہیں بھاری
مقصودِ تری زیست کا ہے ارفع و اعلیٰ
رتبہ ترا کیوں جن و ملائکتے ہے بالا؟

یہ عسکر جو ہر خطہ و ہر دم گزراں ہے
لا ریب کہ قبضہ میں ترے نقد رواں ہے
اک آگ تری ہستی فانی میں تپاں ہے
اک شور ترے قلب میں ہنگامہ کنّاں ہے
لکڑا ہے جس کی کہ بڑھے جا تو جہاں
ہے جذبِ قیامت کا اس آواز نہاں

اے نیند کے ماتے تو ذرا اٹھ کے سنبھل دیکھ
ہے تاک میں ہر ایک باہج کی آہل و بیکھ
اس ذہن کے زنداں سے نکل اور توجہل دیکھ
گر خواب تری زیست ہے تو خوابِ عمل دیکھ
سب خوابوں سے وکش ہے بہت خواب تری
تو کھولتا جا خواب میں ابوابِ ترقی

ہر شکل ہے کھولے ہوئے آغوشِ ترقی
ہر سینہ میں ہے موجِ زناں جو شِ ترقی
صوفی ہے برا سیک قدحِ نوشِ ترقی
ہوشیار و سگ ہوشیار ہے مدِ ہوشِ ترقی

ہے صاف عیاں حاجتِ ظہار نہیں ہے
قدرت کا عطیہ کوئی بیکار نہیں ہے

محکوم بنا بجھاپ کو اور برق تپساں کو
جادو صونڈ نے مرنج میں اسرار جہاں کو
محسوس بنا مثل مکان بُعدِ زماں کو
لاٹوڑ کے افلاک کے انوار رواں کو

ہے فیض یہ نفس تپش آمادہ کا تیرے

تسکین کے لئے جان ہی خود اپنی زدید

جذبہ جو یہ بخشا ہے عنایت ہے خدا کی
سینوں میں ہمارے یہ ودیعت ہے خدا کی
ہاں اس کی کریں قدر کہ نعمت ہے خدا کی
ہرگز نہ تلف ہو کہ امانت ہے خدا کی

میدانِ ترقی میں قدم اپنے بڑھائیں

اس نعمتِ عظمیٰ کو چلو کام میں لائیں

غزلیں

کچھ نہیں دل میں سوائے دردِ دل
دوست ہیں نا محرمِ سرِ عشق
دل ملا ہم کو برائے دردِ دل
یار ہے نا واقفِ رمزِ وفا
آشنا نا آشناے دردِ دل
دیر اتنی چارہ سازی میں حضور
اب کوئی کس کو سناے دردِ دل
شامِ غم کوئی نہ تھا جب غمگسار
سہم نہ بن جائے دوا دردِ دل
یاد ہے ہم کو وفائے دردِ دل
کس کو ہے ذوقِ سرود سازِ غم
کون سنتا ہے نوائے دردِ دل

اک نہیں تم ہی شکارِ تیرِ غم
سب ہیں برقی مبتلاے دردِ دل

اے جذبہ سے جذبہ ترقی مراد ہے جو ہر انسان کے سینہ میں فطرتاً ودیعت ہے۔

کسی کا لیکے دل اس طرح کوئی بے خبر کیوں ہو
 غورِ حُسن تو زیبا ہے لیکن اُس قدر کیوں ہو
 الہی وصل کی شب ہے ذرا انصاف تو کرنا
 ہوئی جیشِ مبرسوں میں تو لمحوں میں سحر کیوں ہو
 اسے رہنے بھی دبا دصبا کوئے تنہا میں
 غبارِ عاشقانِ با وفا ہے در بدر کیوں ہو
 لگاؤ ناز سے یوں دیکھنا تیرا نہیں اچھا
 مری حیرانیوں کا آئینہ تیری نظر کیوں ہو
 گراں ہیں میرے نغمے بھی کسی کی طبعِ نازک پر
 مری فریاد میں یارب مرادِ درِ جگر کیوں ہو

نتجھے لپکا ہی برقی پر گیا ہے جبہ سائی کا
 بہت سے اور ہیں کم بخت گھر میرا ہی دیکھو

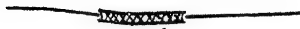
ہے جوش سے خوننا بہ فشاں دیدِ آج
 بچنا نظر آتا نہیں پہلو میں جگر آج
 کل رنگ جہاں دیکھے کیا رنگ دکھائے
 خداں نظر آتا ہے چمن میں گل آج
 یہ دلولہ انگیز سماں اور یہ موسم
 تو یہ مجھے اب اپنی ہے تسلیم کر آج

آرام ہو اور قی آسفتہ کو شاید
 سو فی نظر آتی ہے تری راہِ گزر آج

عمر کا رشتہ جلا کر دل کے ساتھ
 اٹھ گئے ہم شمع ساں محفل کے ساتھ
 ہم ہوئے آزاد اوپہاں شکن
 رشتہ امید ٹوٹا دل کے ساتھ
 بیلِ مقصود کیا ہاتھ آگیا
 گو جلا تو ذوقِ دم محل کے ساتھ

وضع داری کا برا ہو جس پر
 رنگے ہم خشک لبِ ساحل کے ساتھ

خوشبو نسیم لاتی ہے گرزلفِ یار سے بیکر نکل ہی جاتی ہے میرے مزار سے
 آزاد ہوں اگرچہ اسیرِ قفس ہوں میں تکلیف ہے خزاں کی نہ راحتِ بہار سے
 حالِ حین طسِ رازی دامن نہ پوچھئے
 جاری ہے خونِ دلِ مرثۂ اشکبار سے



حزین - محمد شعیب بی۔ اے (عثمانیہ)

[شوح مزاج ہیں اور اداکار ہیں۔ نظموں سے زیادہ غزل کی رنگیں نیلیں نغمہ سرائی کرتے ہیں۔
 اوانے خیال میں ایک بانگین ہے۔ حسن و عشق میں گم ہونا جانتے ہیں لیکن ان کی گم شدگی بے معنی
 نہیں ہوتی۔ کہیں کہیں اشتباہوں میں بیٹھ کر برق اور طوفان سے اس طرح کھیلتے ہیں کہ
 زندگی کی بے ثباتی کا نقشہ آنکھوں میں کھینچ جاتا ہے۔ طرز ادا کی بے تکلفی اور سلیجی ہوئی ترکیبیں
 ان کی غزل گوئی کی جان ہیں]

یادگار رات

سخری گرمیوں کی رات تھی خاموش تھی
 مگر خاموشی کامل میں کبھی ترنم تھا
 مہ کس کچھ نازک ہاتھ میں زریں پیالہ تھا
 فلک سے نور گرتا تھا زریں پر چاندنی بن کر
 یکا یک ایک نالے نے یہ کیفیت بدل ڈالی
 کسی آہ کھینچی حسن کی خاموش محفل میں
 بلا کا درد تھا لے میں غصہ کا سنو پہا تھا
 جو بالکل بے خبر تھے وہ سنا کر تکلا اٹھے
 خلا میں کھو گئی آواز غرق ہوئی غم کی

پیام حسن سننے کو سراپا گوش تھی دنیا
 ادھر فطرت کے ہونٹوں پر مایا کا بزم تھا
 زمانہ بھر میں جس مستیوں کا بول بالا تھا
 رستا تھا دل عالم یہ کیف بے خودی بن کر
 سکوت شب کی وہ نازک کلی گویا مسل ڈالی
 کسی جوگ چھیرا رات کی مدہوش محفل میں
 فضا کی وسعتوں میں ایک شعلہ سا پریشا تھا
 جو دُور سے تھے وہ بھی ساگر تکلا اٹھے
 بھیانک رہ گئیں خاموشیاں قصائے عالم کی

مرے دل میں گروہ دکھ بھری فریاد ہے اب تک
وہ غم انگیز لے وہ جوگ مجھ کو یاد ہے اب تک

غزلیں

نئے انداز میں صبا دتیرنے ل جلانے کے
فلک کیا خون کے پھینٹے ہی غفلت دو کر گزرتے
جو پوری سانس لی تھی محفو کر اے مالکِ نذا
کرم اس کو سمجھ بیٹھایا یہ دل کی سادہ لوحی تھی
قفس نے سارا کس بل لے لیا اذوقِ آزادی
ابھی کچھ التفاتِ برق کے سامان باقی ہیں
کسی کے نقشِ پا کا تھنا تھا جبینِ بوسی
ہمیشہ نیند سے کچھ پہلے آنکھوں میں سما جانا

قفس پر لاکے تنکے ڈالتا ہے آشیانے کے
طریقے کیا یہی ہوتے ہیں سوتوں کو جگانے کے
ابھی واقف نہیں ہوا قاعدوں قید خانے کے
لگا ہ بے تکلف میں تھے پہلو آزمانے کے
وہی انداز ہیں لیکن ابھی تک پھر ٹھہرانے کے
ابھی دو چار تنکے بچ رہے ہیں شیانے کے
وگرنہ ہم سے خود دار اور مجرم سر تھکانے کے
طریقے آپسے سیکھے کوئی شب بھر جگانے کے

یہ کالے کالے بادل ننھی ننھی بوندیاں تو بہ
حزبِ فطرت ارادے کر رہی مئے پلانے کے

۲

جبینِ حبیب کے ساتھ ذرا مسکرا کے دیکھ
نظارہ جمال کی لذت بڑھا کے دیکھ
ہر کیفیت کو کیفِ محبت بنا کے دیکھ
صبرِ دلِ غریب کو خوب زما کے دیکھ

رابطِ نیاز و ناز کو خوب آزما کے دیکھ
جلوے کے انتظار کی زحمت اٹھا کے دیکھ
ہاں انتہائے یاس میں بھی مسکرا کے دیکھ
سعیِ تمامِ عمر کا حاصل مٹا کے دیکھ

ق

ہم بھی تماشا جان کے دیکھینگے آسمان
ہاں ہاں ہر ایک تنکے پہ سحلی گرا کے دیکھ
عالم تمام صرف تبسم نہ ہو تو کہہ
تو نیند کے خمار میں کچھ مسکرا کے دیکھ
یہ بے خودی عشق ہے یا بے حسی موت
قلبِ حریس میں اک ذرا نشتر چھپا کے دیکھ

۳

اگر حریس کہیں شہ زندہ دفن ہوتا
تو سچ کہوں کرمِ عشق رائگاں ہوتا
بھری بہار میں گلشن کو اک لگ جاتی
جو بکلیوں کی نظر میں نہ آئیاں ہوتا
نگاہِ خیرہ زباں بند ہوش کم تو بہ!
وہ بے حجاب نہوتے تو کچھ بیان ہوتا
ہمارے ذوقِ تباہی لاج رکھ لی ہے
یہ برق برق نہ ہوتی جو آئیاں ہوتا
حریس کا دل تو خلشِ آتشاں سکون دشمن
کرم بھی آپ جو کرتے تو رائگاں ہوتا

۴

اجازت ہو تو تیرا کھیل ہم آسمان کھیلیں
گرا کر آج اپنے آئیاں پر بکلیاں کھیلیں
چلو یوں ہی مژدوقِ خلش کی وادِ جاے
مجھے تڑپا کے کھیلنا چاہتے ہیں وہاں کھیلیں
توجہ سارے گلشن سے ہٹا دی آسمانوں کی
یہ تنکے رکھ دے ہیں تاکہ ان سے بکلیاں کھیلیں
مری بربادیاں منون ہیں صرف اس تمنا کی
کہ میں ان بکلیوں سے اور مجھ سے بکلیاں کھیلیں
اسی حیلے سے شاید مشقِ دل سنوی بھی ہو جاے
ہمارا آئیاں سے اور کچھ دن بکلیاں کھیلیں

حریس میں کھیلنا ہوں جوشِ طوفان و تلاطم سے
مری کشتی سے موجیں کھیلنا چاہیں تو ہاں کھیلیں

۵

خونِ دل سے ابتداءِ داستانِ سمجھانٹیاں
اپنی بربادی بہِ ظرفِ آسمانِ سمجھانٹیاں
ایک نالہ ایک نسو ایک آہِ جانگداز
بس نہیں کو کائناتِ داستانِ سمجھانٹیاں
برق کے قریب بربادِ جی اٹھیں کھولیں
چار شکوں پر مدارِ آفتابِ سمجھانٹیاں
وادِ الفت مل چکی بس اتنا غفلِ کشِ بس
بے نیازی کو بہ طرِ امتحانِ سمجھانٹیاں
آہِ ترغیبِ تمنا کا کسے الزامِ دوں؟
اس نگاہِ مست کے تیور کہاں سمجھانٹیاں

آنکھ سے آنسو نکل آئے قفس سے چھوٹ کر
یعنی آزادی نصیبِ دشمنانِ سمجھانٹیاں

۶

اترا غمِ کرباں اور پھر بھی سُکرائیں
میں سب سمجھ رہا ہوں جی بھر کے آزمائیں
وہ وقت دھونڈتی ہیں پھر عشق کی ادیں
میں گیسوؤں سے کھیلوں واپ گنگنائیں
ہم اپنے آفتاب کو خود چھونک لیتے ہیں
بیکار بھلیاں کیوں یہ زحمتیں اٹھائیں
دل برقِ آشا ہے سوا بارِ جل چکا ہے
ہاں آپ سُکرائیں بے خوف سُکرائیں
پھر دل میں جیسے بجلی کروٹ بدل رہی ہے
کہہ دو کہ دونوں عالم اپنی حدیں بچائیں
مجبور تھے کہ نظریں خود نالہ بن چکیں تھیں
اظہارِ غم کی ورنہ ہم تھمتیں اٹھائیں؟

شاید حُزُنِ انہوں نے رُخ سے نقاب اٹھا
پُر کیف ہیں فضا میں مخمور ہیں ہوائیں

بیداد پسندیِ حد سے بڑھی تقدیر یہ شاگرد نہ سکے

ظلمِ تمھیں کرنا ہی نہ آیا لطف و کرم ہم سہہ نہ سکے

کہتے بھی تو رو رو کر کہتے اور داد نہ ملتی کہنے کی
 اچھا تو ہوا افسانہ غم تم سُن نہ سکے ہم کہہ نہ سکے
 باغ سے کچھ لینا تو نہ تھا، دو سو کھے تنکے رکھے تھے
 اُس درکھے اس سبلی کو وہ بھی تو سلامت رہ نہ سکے
 اس ضبط کے ہاتھوں جی بھر کے رو بھی نہ سکے ہم اے توبہ
 آنکھوں میں جو آنسو بھر آئے، پلکوں سے ڈھلک گئے بہہ سکے
 بھیگی ملیکیں ہونٹ لرزتے نظریں پریشاں ہا کے ستم
 اس طرح سے پوچھی حالتِ دل ہم رو تو دے کچھ کہہ نہ سکے
 دل پس کسی نے مہر لگا دی ہونٹ کھلے تو کیا حاصل
 کہنے کو بہت کچھ کہتے رہے جو کہنا چاہا کہہ نہ سکے
 ہم تو حزیں یہ سمجھے ہیں دامن جو بھگو دے پانی ہے
 آنسو تو وہی اک قطرہ ہے پلکوں پہ جو تر پے بہہ سکے

۸

کس کو خبر تھی حاصلِ کامش ایسا زالاؤ کھینکے
 اے ذوقِ طلبِ ہمت کر لے کچھ بڑھکے الٹ پڑے
 کچھ کیفِ سکون تو حاصل ہو جلوہ نہ ہی ہو کا ہی ہی
 بچہ دل کو کسی بھیر دیا جذبات کی دنیا جاگ اٹھی
 شاخِ نشیمن کو اپنی آنکھ سے جلتا دیکھینکے
 جلتے ہیں عالمِ جل جائیں ہم آج تو جلوہ دیکھینکے
 ہاں اور فریبِ تصور کا کچھ دیر تماشا دیکھینکے
 ہم حکمو بھی بھولے بھی نہیں کیا بچہ وہ تماشا دیکھینکے

بھولی ہوئی باتیں میں جب وہ زندہ دل تھا نہ تھا
 اب تو حزیں کو آپ ہمیشہ کھویا کھویا دیکھینکے

ذکی - محمد عبدالسلام بی۔ اے۔ ٹی۔ ڈی عثمانیہ

شعر سے بغیر بہت محبت ہے، اور اسی کی طرف محبت کی وجہ سے مشق سخن کی زنجیروں میں جا پڑے ہوئے ہیں۔ ابھی ان کی شاعری نکھری نہ تھی کہ یہ بچوں کی دنیا میں چلے گئے۔ اس سے جب طبیعت اکتا جاتی تو بڑے بورصوں کی محفل میں آکر داد سخن حاصل کر لیتے ہیں۔ ان کے کلام میں کہیں کہیں خیال کی نگینیاں مڑا دے جاتی ہیں۔ بچوں کیلئے بعض انگریزی نظموں کا ترجمہ کیا ہے جو خوب ہے

حمد

نورِ خدا سے نور ہے من میں بستی بستی جس نے تن میں
رونق جس سے ہر اک بن میں زینت ہے دنیا کے چمن میں
وانا کر پاہم پر کر دے
علم و عمل سے جھولی بھر دے
اللہ پیارا نام ہے تیرا اسم مبارک نام ہے تیرا
وحدت کا پیغام ہے تیرا کیسا اچھا کام ہے تیرا
وانا کر پاہم پر کر دے
علم و عمل سے جھولی بھر دے
بیکس جاں کا تو ہی سہارا نغمیں دل کا تو ہی مدارا
تو ہی سب کی آنکھ کا نارا سب کی ناؤ کا کھیمون ہارا

داتا کرپاہم پر کر دے
 علم و عمل سے جھولی بھر دے
 اندھے کو توبینا کر دے
 زندے کو تو مردا کر دے
 مردے کو تو زندا کر دے
 چشمِ زدن میں کیا کیا کر دے
 داتا کرپاہم پر کر دے
 علم و عمل سے جھولی بھر دے

ملحِ نبی

اپنی قسمت پہ ناز کرتا ہوں	مدحِ شاہِ حجاز کرتا ہوں
آج افتائے راز کرتا ہوں	شاہِ محمود میں توبینا کرتا ہوں
وقفِ سوز و گداز کرتا ہوں	عشقِ حسد میں نفیس اپنا
زیست کو سرفراز کرتا ہوں	زندگی کر کے نذرِ عشقِ نبیؐ
عرض اے کار ساز کرتا ہوں	کار سازی کا وقت آ پہنچا
یا کہ قہر آن باز کرتا ہوں	میں یہ کرتا ہوں شرحِ روضہ نبیؐ
دل کو میں سرفراز کرتا ہوں	کر کے پیامالِ راہِ عشقِ نبیؐ
یا اوائے نماز کرتا ہوں	دُمبدم کر رہا ہوں وردِ درو
عرضِ عجز و نیباز کرتا ہوں	اے صبا کہہ دے تو محمدؐ سے
قصہٴ غم دراز کرتا ہوں	عشقِ احمدؐ میں طولِ دوے کر
نذرِ آئینہ ساز کرتا ہوں	دل کا آئینہ گو ہے چور و کی

طلسمِ زندگی

طلسمِ رازِ زندگی سُر اب ہے نہ خواہیے
نہ آگ ہے نہ باد ہے نہ خاک ہے نہ آہیے
حیات ہے بہار کی نہ زندگی شرار کی
بہار ہے نہ عارضی حیاتِ مستعار کی
یہ زندگی ہے اک عطا خدائے کردگار کی
ہے جس لبے بہا بھی تو گنجِ روزگار کی
ہے قدرِ زلیست منحصر قوائے کار ساز پر
ہزار سالہ عسمر پر نہ عرصہ دراز پر
تلاشِ دمِ بدم ہی سے تو زندگی میں جان ہے
یہ زندگی کا اوج ہے یہ زندگی کی نشان ہے
وفا و مہرِ زلیست میں بجائے قہر جا ہیے
حیات کے محیط میں کوئی تو لہر جا ہیے
ذکی پیامِ دل ہے یہ ہو پاکبازِ زندگی
قبو و ننگِ نام سے ہو بے نیازِ زندگی

تیزی

حُسنِ فطرت کی محبِسم ناز کی
واہ کیسی خوشنما ہے تیزی
چیمینٹ کا ہے قدرتی اسکا لباس
دور سے دیکھو نہ جاؤ اس کے پاس
ہیں پروں سے نقشِ گوناگوں عیاں
صانعِ قدرت کی ہیں گلکاریاں
کیوں پڑ کے اس کو تم کرتے ہوننگ
ہاتھ لگنے سے اڑے گا اسکا رنگ
اس کے پیچھے دوڑنا اچھا نہیں
اس کو دق کرنا تمہیں زیا نہیں
اس سے تیزی ہے ہمتھارِ باغ کی
یعنی رونق ہے یہ گل کے داغ کی
برگِ گلِ کارِ اس سے پیٹے بھی دو
مت ستاؤ تم اسے جیسے بھی دو

کیسے کیسے اچھے اچھے رنگ ہیں مانی وہ ہزار بھی یاں دنگ ہیں
شاخ گل پر ہے ہوا میں کبھی کہہ زمیں پر ہے فضا میں کبھی
لاکھ اداؤں سے اڑا کرتی ہے ہر طرف ہر دم مڑا کرتی ہے یہ
تیلیوں کے ساتھ ہے تنہا کبھی ہے کبھی بیشِ نظر عنقا کبھی
بزمِ گل میں قفس کرتی ہے سدا تو نے آخر کس سے سیکھی یہ ادا؟
نماج وہ جس سے ہر اک حیران ہے جس پہ کل اندر سجھا قربان ہے

بھولی بھالی ناز پرور نازیں
دلربائی میں کوئی نتیجہ سائیں

غزلیا

وہ تصویر میں مرے آکر منے لوہنے اور پھول برسا کر منے
گدگدایا جب سیم صبح نے شکل غنچہ رنگ برسا کر منے
ماند پھولوں کا تسمیر پڑ گیا جب کبھی وہ باغ میں جا کر منے
روپڑے پہلے تو میرے ذکر پر اور پھر کچھ یاد نہر ما کر منے
تار ہائے ساز ہستی چھڑ کر زلف کی مانند بل کھا کر منے
آئی کیا لب پر سیم کی جھلک برق کی مانند تڑپا کر منے

ماجرائے دردِ وقت لے دلی
لب تک آیا تھا کہ شر ما کر منے

۲

احساسِ دردِ عشق نے انساں بنا دیا صد گونہ مشکلات کو آساں بنا دیا
میں کیا بتاؤں اس بتِ کافر کے عشقِ حقیقی کافر بن کے عین مسلمان بنا دیا
مسحور کر دیا ہے عکسِ جمال نے یا آئینے نے آپ کو حیراں بنا دیا
قرباں خیالِ یار کے جاؤں ہزارِ بیا جس نے کہ قربِ بعد کو کیا بنا دیا
طے رفتہ رفتہ کی ہیں ہر نے منزلیں کیا دفعۂ ہی عالمِ امکا بنا دیا
بخشا خدا نے آدمی کو زورِ کائنات اک موزنا توں کو سلیمان بنا دیا

مٹ کر طریقِ مہر نے اس ہر سے ذکی

دنیا کو ایک قالبِ بے جاں بنا دیا

۳

وہ نگہمہ کار گر نہ ہو جائے دل شکارِ نظر نہ ہو جائے
ڈر ہے جادوئے گفتگو سے ترے ہم زباں نامہ بر نہ ہو جائے
اس ادا سے نہ دیکھ آئینہ تجھ کو اپنی نظر نہ ہو جائے
شکوہِ بخت کیا سمجھ کے کروں کہیں اُس کو خبر نہ ہو جائے
آپ کی راہ میں کوئی پامال صورتِ رہ گزر نہ ہو جائے
دن تو یادِ دردِ اضطراب کٹا روتے روتے سحر نہ ہو جائے

اے ذکی چھوڑ خبطِ عشقِ بتاں

زندگی دردِ دُسر نہ ہو جائے

۴

ہے شیرینی کیس شیبوایاں کی
 ہوں وہ محو خیال روئے جاناں
 کبھی کچھ ہے کبھی کچھ رنگِ عالم
 خبر بھی ہے کچھ اے دیوانہ عشق
 حلاوت بڑھ گئی کچھ داستاں کی
 کہ اب پروا نہیں دونوں جہاں کی
 یہ گردش ہے زمین و آسماں کی
 کہاں تک بات جا پہنچی کہاں کی
 ابھی کڑیاں ہیں باقی امتحاں کی
 ابھی سے دعوتِ تکمیل الفت

”نہیں“ سے مارنا ”ہاں“ سے جلا نا
 کرامت ہے تو کی ان کی زباں کی

رشدی - محمد حبیب اللہ - ایم۔ اے (عثمانیہ)

[ایک شاعر خواب و تصور میں خوش رنگ تشبیہوں سے اپنے خیال کا سنوارنا ان کا مسلک ہے۔
 دشتِ خیال میں ایک رُوح کی طرح آوارہ گرد اور اپنے گیتوں کی ظاہری آرائشوں سے بے نیاز۔
 شعرِ نغمہ بن کے نکلتا ہے اور اپنے لئے وہ سانچے اختیار کر لیتا ہے جو خود طبیعت بنائے کبھی اپنے
 جذبہ شکر و تسلی دینے کیلئے ترجموں سے بھی کام لیتے ہیں۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ شکر کی دیویوں نے انھیں
 اپنی نغم سے دو کر دیا یا شاعر ”خود غرض مزدور“ بننے کیلئے نغم شاعر کو الوداع کہہ گئے۔ ”حسنِ ملیح“
 اور ”موج“ میں ان کے جذبات کی نازکی لطف اٹھانے کی چیزیں ہیں۔]

نموذج

کھلا ہوا تھا کنول شبِ مہ کا اب تو افسردہ ہو رہا ہے
 ہے بلغ پر بے خودی سی طاری سینِ جہنم بھی سو رہا ہے
 قمر کا چہرہ اتر گیا ہے چراغِ تاروں کے بجھ رہے ہیں
 وہ شب کے مہمان طائرِ شبِ خموش بادل پہ اڑ چلے ہیں
 تمام شبِ ماہ نے اڑائی چمن پہ اک موتی کی چادر
 وہ ڈوبتا جا رہا ہے اب تو فلک پہ موجِ شفق کے اندر
 چراغ رکھے تھے رہ گزیر تمام شبِ شاخِ نارون نے
 نسیم کے نرم نرم جھونکے اب ان کو آہستہ گل کریں گے

ہوا کے طوفاں نے زور باندھا کہ رُوح شاعر لرز رہی
 کچھ اس طرح سر و ہل رہا ہے کہ نازنیاں اک چل گئی ہے
 صدایہ خاموش کیسی آئی کہ جس کو اس قلب نے سنا ہے
 وہاں غنچہ نے راز شاید سحر کے کانوں میں کچھ کہا ہے
 سحر کا تارا پیام لایا ہے جس حسیں کے فروغ رخ کا
 کہ میرے فانوسِ دل میں روشن اُسی کی الفت کا داغ لگا
 وہ محو ہے خوابِ ناز ہی میں فروغِ یہ جس کے حُسن کا ہے
 یہ کون بولے حضور اٹھئے کہ دستِ خورشید بڑھ رہا ہے

حُسنِ ملیح

یوں تو ظاہر میں مصباحِ نہیں چہرہ پہ تڑپ
 نہ فروزاں ہیں ترے گوش میں دُشہوار
 اور تو اور ریشاشت نہیں چہرے پہ ترے
 حُسن کے واسطے سنتے ہیں کہ ہنس سونگوار

بزمِ عالم میں حسیں دیکھے تھے لاکھوں میں نے
 لیکن اتنا تو کسی سے بھی مجھے ربط نہ تھا
 بات یہ کیا ہے کہ آنکھیں نہیں ٹپتیں تجھ سے
 تجھ میں وہ کون سا جادو ہے بھرا یہ تو بتا؟

کیا جیبا ہے تو کہ آئی ہے مجسم ہو کر
 یا اک آوازِ خیز ہے کہ بنی ہے انساں
 کیا کوئی دُور ہے جو آئی ہے جو گن بن کر
 رکھ مل کر ہے کیا حُسن کو اپنے پنہاں

یا کوئی رُوح ہے تو آئی ہے جو ہو کے خفا
ہو کسی پیکرِ نازک میں تھی پابستِ قیود
کیا سبب ہے تری افسردگی دل کا بتا
کیوں چمکتا ہے کثافت میں ترانگِ وجود؟

گرچہ ملتا ہے نمائش ہی سے ہستی کا پتا
ذرّہ ذرّہ کی چمک سے ہے قیامِ عالم
تو مگر چہرے سے پردہ نہ ملاحت کا ہٹا
مجھ کو ڈر ہے کہ نہ جل جائے نظامِ عالم

قیامِ سلطنتِ اصفیہ

طوفانِ مچا ہوا تھا دُنیا کے ہند میں جب
گلشن کے ہر شجر پر آفت ہوئی تھی نازل
مغرب کے باد و بارانِ یلینا کر رہے تھے
سارِ زمین ہمارا وقفِ خزاں ہوا تھا
اک پیرِ مردِ غازی سُن کر صد خزاں کی
اٹھا اور اُس نے اٹھ کر دیکھا فلک کی تباہ
دورِ فلک میں دیکھی تصویرِ عہدِ نو کی
مالی تھا وہ چین کا تھی اُس کے دمِ رونق
دیکھی خزاں جو اس نے پیارِ وطن کو چھوڑا
چھوٹی سی ناؤ لے کر نکلا وہ نوحِ ثانی
اور دورِ جا کے اُس نے ڈھونڈ لیا جزیرہ

دو بوجہاں جس دم ملاح سارے ڈوبے
غوطے بہت سے کھائے اوچل بسے بہت سے
رحمت خدا کی تجھ پر اے پیسہ مر دغاوی

خصت شباب

کھیل رہی تھی زندگی تیری طفولیت میں کیا
تیرا تجھ سے آفریں خوب بہت طویل تھا
دستِ شباب نے ترے نوج لے جو بال اور
بے کسی حیات میں عشق نے پالیا تجھے
حسن کی زرد چاندنی ایک پری کی چھاؤں
منزلِ عشق طے ہوئی ختم ترا شباب ہے

عالم آب و گل ترا جلوہ برق تاب تھا
طاغِ گلشنِ ارم مست بنا اڑا گیا
عالم اضطراب میں ضبط ہی کام آگیا
نئے کی صدائے مست نے حکمِ قضا دیا
طاغِ ریامِ قدس کو باغِ جہاں پہنچا
عقل کا عہدِ دُور میں تجھ کو ہے اب بھلا رہا

سر سے اتار شاہِ عشق اب تو یہ تابِ گوہر ہیں
بندہ خاکسار بن چھوڑ دے تختِ مرمر ہیں

شہرِ گوہر ہیں

(جیہ آباد کن)

اے گلِ رنگین، عشرت کے مکاں میرے وطن
میرے دل میں تیری الفت کا ہی جو طوفان آیا
تو مرے فکر و خیال کی ہے اک کانِ عدن
آہ ہو سکتا نہیں کوئی بھی اُس سے آشنا

حُسنِ دُخوبی ہے ترے دل میں جو فطرت بھری
کیا یہ میرا جسم پتلا خاک کا تیری نہیں؟
زندگی کے نخل نے میرے نہیں بائی ہی کیا
کیا ترے صحرا میں سحر آگیاں پہاڑی نے کبھی
آہ اب میں گرچہ اک تکلیف دہ غبت میں ہوں
ہاں ابھی چشمہ سے میری زندگی پیدا ہوئی
کیا تری پاکیزہ مٹی سے مری مٹی نہیں؟
تیرے چشموں کے مُصفا آب سے نشوونما؟
اپنی فکر انگیز رُفوق سے مجھے لوری دی
اور آوارہ بہت تیرے غمِ فراق میں ہوں

پھر محی کیا میرے دل محزون کا تو بعد نہیں!
جستجو ترے لئے کیا روح کا مقصد نہیں!

یادِ ماضی

سحر کا نور اور پھر چھپا ہوا بیاری چڑیوں کا
کسی کا مسکراتے جاننا پھر کھلکھلا دینا

گلوں کا بھونٹنا شاخوں پہ اک پر کیف عالم میں
کسی کا آہ بھرنا، ٹوٹنا، اک سوزِ بہیم میں

سرشام ایک عالم مائل سیر تماشا ہو
کوئی شاداں ہو راحت سے کوئی روئے مفکر ہو

جنوں بھی راہ لے سنجیدگی سے کوئے جاناں کی
نئے غنچے کھلائے آرزو صبح و شام کی

وہ موم سخت گرما کا تمازت مہر تابا کی
وہ کو کی تند لہریں وریا داکِ اُفتِ جا کی

کوئی سُنّان ویرانہ جہاں قبرِ شکستہ سی
خدا یا تھی یہ دنیا اک بہشت از یاد رفتہ سی

وکن میں موسمِ سرما کی راتیں خوشگوار ایسی
کہ جن کے سامنے حُسنِ بہارِ اُنک بھی شرمائے

قمر کی شکجے ایوانوں میں اک خاموش موسیقی کسی کی کوچہ گردی جیسے غم سے دل کو گرمائے

زمانہ کے فراز و پست سے وہ ٹھوکر کھاتی کبھی گر کر سنبھلنا اور برہنہ زورِ جہت سے
غرض کیا کیا مزے تھے تلخیوں میں گر دون کی گرا بان کی صرف اک یاد غم انگیز باقی ہے

بہار کی رات

سفید ابرو کی چلیں میں چھپا لیتا قمر نے چہرہ نقاب سمیں کسی نے گویا فضاے عالم پر الہی ہے
جہاں میں چاروں طرف نظر آ رہا کی فکر کا دھندلکا بہار کی ابتداء کے دن ہیں ہو بھی ٹھلا کیے چل رہی ہے
زمانہ مدہوش ہو گیا بے بھری ہے خوشبو کی مے تپاں چھڑا ہے ایسا جموش نعمتہ کہ درہ درہ کو وجد آئے
ہے روح کی التجائے مضطر کہ سار عالم بھیج جائے

جو نور افروز برزمِ عشرت ہو کوئی جا کر اسے سنا کہ دیکھ باہر ذرا نکل کر محبت پر کیف تیرا گلشن
سحاب سا بن یہ چھار ہا ہے چمک رہی ہر ملک پہ تار ترے لئے آج یا سمن نے کئے ہیں نوسل پنہ رشن
زمین پہ ہے جوشِ لالہ و گلِ فلک پہ ہو موجِ نوظہار فضا میں کُسن کا سمند لطیف ہلکورے لے رہا
تو جلد ڈال اُس میں اپنی کشتی کہ وقت کتنا گزر گیا

اپنے قریب سے

عشق کی آگ نرے دل کی سجھا دی کس نے؟ کس لئے تو نے کیا ترکِ محبت کا خیال؟
تیری آشفتنہ مزاجی وہ چھڑا دی کس نے؟ کس طرح ہو گیا یا یوس تماشاے جمال؟
تیری تبدیل سے ہے دل میں خلش سی پیدا چل کے دو چار قدم پیچھ رہا متھک کیے ہیں
ہاں بتا عشق تیرا بواہو سی ہے کہ نہیں؟

کو دھپسے عشق کے میدان میں ہمت کر کے تو مرے نالوں سے کچھ تو پیش اندوزی کر
پی لے تلخائے آلام کو جرات کر کے حاصلِ سوز بہت ہے جو بگر سوزی کر
یہ بتا کیا مرے دل میں تھی تمنائےصال تجھ سے بڑھنے کے لئے میرا قدم اٹھاتا تھا
راہِ کلہی تھی مری خستہ سفر ہوتا تھا

ترکِ شعر

بند کرتا ہوں دکان اے قدردا اب الوداع تیری خاطر میں سمندر سے گہرا لایا کیا
نیرا احساں ماننا ہوں اے مرے جو ہر شناس لیکن اس جو ہر فروشی سے مجھے کیا مل گیا
عالمِ امکاں میں ہیں لاکھوں بیباں جن اک کٹھنِ وادی سے دنیا میں گزرنا ہے مجھے
کیا جوابِ آخرت دوں گا کسی کے روبرو دنگ لگا جائے قدم اس راستے میں گر مرا
دست و پاشل ہو گئے جاتی رہی پروازِ روح بارِ دنیا سر پہ ہے سیرِ حین کا ذکر کیا
عرشِ آزادی پہ تھی اب تک پرافشانی مری خازنِ پائے بندی میں بھی ہے جانا مجھے
آج تک میں خود رہا عالم پہ اک بارِ گراں اب گناہِ ریت کا ہو جائے کفارِ ادا
ہو رہا ہوں آشنائے لذتِ تلخابِ دہر اب مزہ جاتا رہا شہرِ مینی گفتار کا
اب میں اک ہدم نہیں شاعر نہیں رہندی نہیں خود غرض و نیاز طلب، مزدور بننا ہے مجھے

زور۔ ڈاکٹر سید محی الدین قادری ایم۔ اے عثمانیہ (پی ایچ ڈی لندن)

[ڈاکٹر صاحب کا کلام آپ کی پچھلی شاعری کی یادگار ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مثنوی سخن رتی تو آپ کی شاعری زور پر ہوتی۔ تخیل کا نیچرل رنگ اور جوش نئے اسلوب شاعری کے ساتھ وابستگی ایک اُمید افزا خصوصیت تھی۔ جامعہ عثمانیہ اور کون سے آپ کی قلبی محبت شاید آپ کا شاعرانہ مشرب بن جاتی جس کے ساتھ آپ کی سلاست زبان بھی لطفتاً جانا غزل میں آپ کا رنگ مومن اور غالب کے دور کے مشابہ ہے۔ آسمان سے خطاب

میں آپ نے ایک وسیع مضمون کو بڑی خوش اسلوبی سے قلمبند کیا ہے]

چاندنی

پھر ذکر رونقِ شب مہتاب آگیا سامانِ وحشتِ دل بیتاب آگیا
نقشے شبِ وصال کے آنکھوں میں پھر گئے گردوں پہ بادلوں میں مہر گھر گئے
میں اور یادِ نعمت ویدارِ الاماں گرتی میں خرمینِ دلِ مضطر پہ جلیاں

موسم وہی فضا وہی کہنا رہی وہی

اے کاش مل سکے نگہ یار بھی وہی

ہو گا یونہی فلک پہ سدا ماہِ صوفشاں مل جائے میرا چاند ہے وہ چاندنی کہاں
میں ہوں وہی مگر طبیعت وہ دل نہیں وہ دلو لے نہیں وہ اٹنگیں نہیں رہیں
وہ جوشِ داد خواہی بیداداب کہاں وہ شکوہ ہائے خاطرِ ناشاداب کہاں

اب وہ خیالِ مستِ مئے خواب ہو گئے

غرقِ المِ نشاط کے اسباب ہو گئے

نشترِ دل و جگر میں چھو ہوئے سے ہیں نغمے مرے رباب میں سوئے ہوئے سے ہیں
 آتی ہیں یادِ شوق کی سرستیاں مجھے نرِ بپاتی ہیں زمانہ کی نیرنگیاں مجھے
 اب دل میں خواہشِ شبِ مہتاب ہی نہیں تفریح و انبساط کے اسباب ہی نہیں

ہاں عسمر بھر کریں گے تجھے یادِ چاندنی
 اس قیدِ عسمر سے ہوں گے نہ آزادِ چاندنی

آسمان کی زبان سے

عرصۂ امکاں پہ ہوں دیر سے میں حکمراں

حکم سے میرے رواں

بادلوں کے کارواں

کشتیوں کے بادباں

باغ کی سب نالیاں

عرصۂ امکاں پہ ہوں دیر سے میں حکمراں

تفاقلۂ زلیست کا کارواں سالار ہوں

مخزنِ اسرار ہوں

مطلعِ انوار ہوں

مرجعِ افکار ہوں

درِ پئے فستار ہوں

تفاقلۂ زلیست کا کارواں سالار ہوں

۳

سامنے میرے ہوئیں معرکہ آرائیاں

شہروں کی زیبائیاں

قوموں کی رعنائیاں

حسن کی پرچھائیاں

عشق کی رسوائیاں

سامنے میرے ہوئیں معرکہ آرائیاں

حامی تدبیر ہوں مالکِ تقدیر ہوں

عش کی تفسیر ہوں

خلد کی تصویر ہوں

حسن کی تنویر ہوں

خواب کی تعبیر ہوں

حامی تدبیر ہوں مالکِ تقدیر ہوں

با این ہمہ برتری خاکِ میں آلود ہوں

میں نہ تو محدود ہوں

اور نہ مفقود ہوں

نام کو موجود ہوں

شعلہ بے دود ہوں

با این ہمہ برتری خاکِ میں آلود ہوں

افسانہ محبت

بھروے مئے الفت سے ساقی مر گیا
آباد رہے دایم یہ عشق کا مے خانہ
ہنستوں کو جو رُکوا دے متوں کو جو زپاؤ
مردوں کو جو گرما دے وہ مرا افسانہ
ہیں یاد ابھی وہ دن تھی تیری جبینِ سادہ
عاری تھا جھنا سے تو تھا جو رہے بیکانہ
تھا وغل نہ غمزے کا عشو سے نہ چسپی
انداز سے کچھ مطلبِ شبنمی سے نہ بارانہ

وہ راحتِ جاں بننا وہ روٹھ کے چلنا
وہ من کے بگڑ جانا وہ شوق کا اکسانا
وہ نور کی کرنوں کا چہرہ پہ چمک جانا
وہ وقتِ حرام اُن کے اعضا کا لچک جانا

مخمور سی آنکھیں وہ محبوبِ فنی باتیں
محبوبِ دایم وہ رفتار وہ مستانہ
مجنوں کو ہو جیرانیِ دایم کو پریشانی
فرہاد کو ہو سکتا خسر بھی ہو دیوانہ
آباد ہے الفت سے دانا کی عنایت سے
دنیا مری نظروں کی دل کا مرے کاشا

رہبر منزل کی جدائی

آج گلشن کے اُجڑنے کی خبر آئی ہے
دلِ ناشاد پہ کلفت کی گھٹا چھائی ہے
نہ وہ ساقی ہے نہ وہ انجمنِ آرائی ہے
چار سو مجمعِ اغیار ہے رسوائی ہے
قص کرتے نظر آئیں گے نہ اراں دل میں
کوئی بیتاب رہے گا کوئی حیران ل میں

عند لبابِ چین کا نہیں پُرساں کوئی نظر آتا نہیں اشعلہ عریاں کوئی
پھول ہیں باغ میں لیکن نہیں خنداں کوئی اس گلستاں کو کہے گا نہ گلستاں کوئی

نظر آتا نہیں سامانِ مسرت باقی

اب وہ اگلی سی نہ راحت ہے نہ فرحت باقی

شعلے اٹھتے ہی کو تھے وادیِ سینا سے ابھی مست آنکھیں نہ ہوئیں کیفِ تماشا سے ابھی

لہریں اٹھتی ہیں مری چشمِ تناسل سے ابھی جان آئی نہ تھی انفاسِ سیما سے ابھی

سیکھتے تھے ابھی پرواز پر پروانہ

تشنہ لب تھے ابھی زندانِ دُرخانہ

کوئی بے وقت یہ محفل کا اجرِ نادیکھے راہ میں رہیں منزل کا اجرِ نادیکھے

شاہدِ حسن کی محفل کا اجرِ نادیکھے کس طرح اپنے کوئی دل کا اجرِ نادیکھے

یاد تڑپاے گی زور اس کی ہمیشہ ہم کو

نہ ملا ہے نہ ملے گا کوئی ایسا ہم کو

جامعہ عثمانیہ ورنوہالادین

مژدہ باداے ہم صفیر و پھر ہمارا نے کوئے شاہدِ ملکِ دکن پر پھر نکھارا نے کوئے

پھر صبا آنے کو ہے بے اختیار آنے کو ہے جوش پر پھر حجت پروردگار آنے کو ہے

ظلمتِ جہلِ زبوں کا فور ہوتی جائے گی

کلفتِ ادبار و نجبت دور ہوتی جائے گی

آج کل غنجوں کی وہ دل تینکیاں باقی نہیں کشت زاروں میں زرد کے نشاں باقی نہیں
پیچ سنبل میں میان بوستاناں باقی نہیں طاروں کے دل میں بھی خوفِ خزان باقی نہیں

پھول پھل سب نشہ آبِ طرب میں چور ہیں

مست ہیں خوش ہیں جوانانِ چمن مسرور ہیں

زینتِ فصل بہاراں نوہالانِ چمن ہیں خوشی میں نعمتِ زن سب مثلِ مرغانِ چمن

اُف رگے گلشن کی فضا اللہ رشتے ان چمن کیا سرور افزا نظر آتے ہیں سماںِ چمن

جامعہ عثمانیہ اب جلوہ کاہِ طور ہے

ہر طرف پر تو فلکِ علم و عمل کا نور ہے

اس کے ہر ذرہ کو رشکِ آفتاب دیکھئے عظمتِ ملکِ دکن کو بے نقاب دیکھئے

ہو چکا منت کشی کا سدِ باب اب دیکھئے دیکھئے ہاں دیکھئے یہ انقلاب اب دیکھئے

داغہائے منتِ اغیار دھوتے جاں گے

نوہالانِ دکن شاد اب ہوتے جاں گے

غزلیں

شبِ غم کی نہ ہوگی انتہا کیا نہ لائے گا خوشی کا دن خد کیا

مری آنکھوں میں جلوہ اپنا دیکھو یہ ہر دم دیکھتے ہو آئینہ کیا

خضر کیا جانیں تم پر جان دینا انھیں اس مرحلہ سے واسطہ کیا

کروں کس مُنہ سے غیروں کی شگفتہ
 ترے در پر جو آیا بھڑنے اٹھا
 سناؤں اپنے غم کا ماجرا کیا
 یہی دنیا میں تھا اک آسرا کیا
 بتوں سے مہر بانی کی توقع
 وہ بزمِ غم سے وہ جھوٹے فسانے
 انھیں یاد آئے گی میری وفا کیا
 دلِ غم میں ہیں ارمان کیا کیا
 نہیں معلوم نکلیں گے یہ کیوں کر
 بڑھے جوشِ محبت میں جب آگے
 بلند و پست کیا ارض و سما کیا

گنا کرتے ہو راتوں کو جو تارے

یہ آخر زور تم کو ہو گیب کیا؟

۲

بن کے انگشتِ اشارت جو اشار کر دے
 بھر دے آہوں خیالِ رخ تاباں
 نگہ ناز تری کیا کہوں کیا کیا کر دے
 اور اشکوں کو مرے روکشِ دریا کر دے
 دلِ پر یاس ہے ششہ سوزِ نہاں
 اس کو مرہونِ شر رہائے تمنا کر دے
 ضعیفِ آخریہ ترا دیدہ گریاں کنگ
 کیفیتِ بارِ بہاراں کی ہویدا کر دے
 دل ہو سہائے مجازی میں پچھتم
 خوف ہے رازِ حقیقت کہیں فشا کر دے

عاشقوں میں ہے مواخات کا رشتہ قائم

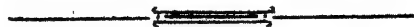
شمعِ پر زور نہ کیوں خون کا دعویٰ کر دے

۳

دل جب سے ہوا ہے خورِ غم آزار میں لذت پاتا ہوں

گلابِ مہرِ دور رہے میں اس سے بہت گھبراہٹا ہوں

ہر روز ہزاروں زخمسے اس زخمی دل پر کھاتا ہوں
 افتاد سے ہوں مجبور ہوا کب چاہے میں باز آتا ہوں
 وہ ناز وادائیں سرگرمی سوزنگ سے جب کھلاتے ہیں
 جذبات کو لئے کر پہلو میں سرگرم وفا ہو جاتا ہوں
 اے زور نہ کر راحت کی ہوسِ نیا ہی یہ سب کھو کی جگہ
 چہنمہ بھی سراب آتا ہے نظر حیب پیاس بجھا جاتا ہوں



زیبا۔ سید علی حسنین ایم۔ اے (عثمانیہ) ریسرچ اسکالر

[حسن و عشق کے شاعر ہیں۔ ان کے وارداتِ قلبی کبھی ایک افسانہ کبھی ایک رات کے عنوان سے اپنا روپ دکھاتے ہیں۔ ان کی کہنہ مشقی عثمانیہ شاعری کے قالب میں جلوہ گر ہو کر ایک نیا رنگ پیدا کرتی ہے۔ نیچرل تشبیحات سے شعر کو چراغ اور ستاروں کی روشنی دیتے ہیں۔ نظم اور غزل دونوں پر ان کی طبیعت مائل ہے۔ غزل میں وہ درجیدہ کے غزل گو اساتذہ کے پیرو نظر آتے ہیں۔ ”زندگی“ والی نظم میں ارتقاے حیات کو شاعر کی نگاہ سے بڑی خوبی کے ساتھ دیکھا ہے۔]

جذبہ شعر سے خطاب

رضائے دوست کو وہ مرتبہ دیا تو نے	خیالِ دوزخ و جنت بھلا دیا تو نے
بنا کے دل کو مرے اصلِ مذہب و ملت	رواج و رسم کی زد سے بچا دیا تو نے
تمام عشق کی تاریخ سوئپ کر مجھ کو	روایتوں کا خزانہ لٹا دیا تو نے
جمالِ طوفاں نہ نہیں حقیقت ہے	مجھی پہ برق گر کر مبتلا دیا تو نے
دلہن کی طرح سجا کر گناہِ الفت کو	حجابِ شرم کا پردہ گر دیا تو نے
کسی کی یاد میں رہنا جو اک عبادت تھا	کسی کی یاد کو واجب بنا دیا تو نے
نیازِ عشق میں رکھ کر غم و رکا پہلو	امینِ راز محبت بنا دیا تو نے
فریبِ عجز کی کیسا حقیقتیں کھولیں	خودی کا مجھ کو میسر بنا دیا تو نے

کسی حقیقت پہاں کو بے نقاب کیا قصور است میں جس بیکراو باتو نے
 زہے نواز شبنم کہ دل کی دھڑکن میں این وحی کا نغمہ بنا دیا تو نے
 وہ نغمہ جس پہ فرشتے بھی وجد کرتے ہیں فضائے نور پر سکہ جما دیا تو نے
 اسی کا ساز ہے بنیا و جنبشِ موزوں نجوم و شمس کو رقصاں بنادیا تو نے

ترے جمال کو میں نے ہمیشگی بخشی

مرے خیال کو رنگیں بنا دیا تو نے

زندگی

نغمہ غم اک ازل کے سچے تھا بانسری میں عشق کی سویا ہوا
 اک تبسم پر کسی کے چونک اٹھا

زندگی شاید اسی کا نام ہے

روح اک ذروں میں مجھ خواب تھی نور کے اوراق میں لپیٹی ہوئی
 تھر تھرا کر اس نے اک انگڑائی لی

زندگی شاید اسی کا نام ہے

اس قدر ظاہر نہ نظر و سگ نہاں اتنی پوشیدہ کہ ہر شے سے عیاں
 راز ہونے پر بھی ہو جو داستاں

زندگی شاید اسی کا نام ہے

قص میں ہے ایک فانوسِ بلور چھن رہا ہے جس کے ہر پہلو سے نور
 مختلف رنگوں میں ہے جس کا جلو

زندگی شاید اسی کا نام ہے

شاہ کے چینِ حبیب میں ستر
عارفِ کامل کے سینے میں شر

زندگی شاید اسی کا نام ہے
ایک حسرتِ اکِ دلِ خاموش میں
ایک لرزشِ بیکر می نوش میں
ایک بجلی طور کے آغوش میں

زندگی شاید اسی کا نام ہے
ایک مفلسِ بے نوا کے لب پہ آہ
ایک منعم کا غرورِ عزت و جاہ
اک بتِ کافر کی دزدینِ نگاہ

زندگی شاید اسی کا نام ہے
ایک شعلہ آتشِ رخسار کا
ایک بچند اگیوئے خمدار کا
ایک سجدہ آستانِ یار کا

زندگی شاید اسی کا نام ہے
قطرہ شبنم پہ لرزاں آفتاب
بہتہ پانی میں مچلتا مانتاب
سردی دریا میں اک کسرتِ جہا

زندگی شاید اسی کا نام ہے
غمِ فراغِ غموں کا محزنِ اکِ ربا
جاگنے والوں کا اک لچپ خوا
بیلی فطرت کا وہ رنگیں شباب

زندگی شاید اسی کا نام ہے
روحِ شاعر جس سے شعلہ پیرن
ہے جو مطرب کی زباں نغمہ زن

یا مصوّر کے قلم کا بانیچین

زندگی شاید اسی کا نام ہے

ہر نفس میرا ہے آہِ سرد سا
روز و شب رہتا ہے تہہ زرد سا
دل میں ہے زیاں مرے اک درد سا

زندگی شاید اسی کا نام ہے

سُکُون

رات تاریک، سراپا ہے سراسر خاموش
نوحِ طسرح کہ یاد آئے کسی کو بچپن
موجِ امید کی جیسے کہ دلِ انساں میں
وہ بیانِ عزّت کا کبھی عالمِ رسوائی میں
اک تبسم کا تصوّر کبھی روتے روتے
لہرِ الہام کی جیسے دلِ پیغمبر میں
دل کی تصویر سی ہے دلِ مرا اس عالم میں
یاد ہے دل میں کسی کی نہ منتِ کوئی
یہ سکون۔ اف بیکوں تو مری فطرت میں نہیں
بیخبر گوش و نظر، نور و صدا ہیں بے ہوش
اور صدا، جیسے مسکتا ہوا گل کا دامن
بلبلہ جیسے کوئی ٹوٹ گیا پانی میں
دل کی سرگوشیاں جیسے کبھی تنہائی میں
آنکھ کھل جائے کبھی جیسے کہ سوتے سوتے
حرکتِ اشک کی جس طرح کہ چشمِ تریں
نہ مسرت کے اثر میں نہ فضا، غم میں
روح جیسے کہ پڑی پھرتی ہے کھوئی کھوئی
پیشِ خمیہ کسی طوفان کا یہ ہونہ کہیں !

نغمہ سحر

سحر کی تاریک روشنی میں ستارہ اک جھلکار رہا ہے
مری مژدہ پہ ہے جوتارہ وہ آنکھ اس طار رہا ہے

نظر مری مجھ سے کہہ رہی ہے کہ یہ کوئی مسکر رہا ہے
یہ کیا ستم ہے کہ یہ سماں بھی جھلک اسی کی دکھا رہا ہے
پڑا ہے بسزہ یہ ایک موتی جو دیر سے جگمگا رہا ہے
وہ سامنے شاخ پر پیہیا جو درد اپنا سنا رہا ہے
الہی یہ کون رفتہ رفتہ نقاب رُخ سے اٹھا رہا ہے
شعل بنکر کوئی فرشتہ پیام فطرت کا لا رہا ہے
پیام لایا کہ رونے والے وصال کا دن بھی رہا ہے
مگر اسی دل کو چھول اس دم شکفتہ ہونا سکھا رہا ہے
جو دل بھی ٹکٹا تھا وہ خوشی کی منی بجا رہا ہے

افق پہ بجلی ٹہر گئی ہے لکیر سی نور کی کھینچی ہے
وہ منظر کوئے دوستِ اول وہ تیری تجرِ فروغِ نعت
خدا ہی اس راز سے ہوا کٹی دل ہے کہ اشکِ شبنم
کسی شہیدِ رجوت کی غالباً روح مضطرب ہے
فضا میں کچھ رنگ ابھر رہے ہیں فلکِ جلا کو کھر رہیں
سحر کے جوہر سمٹ رہے ہیں نظر سے پروا ل رہیں
شبِ جدائی کا منہ پھرایا سحر کا فاصلہ پیام لایا
اگرچہ دل و فرسودہ دل کی مال پر پھول کا نظر ہے
پریم نگری سے آ رہی ہے کیسی ٹھنڈی ہوا کہ زینبا

برسات کی ایک رات

جس کی تاریکی تھی پورے جوش پر آئی ہوئی
وہ بھری برسات کی جذبات سے لبریز رات
فطرتِ بیدار کی دھالی ہوئی تلوار تھی
پھر رہے تھے ہر طرف اک درد بکھراتے ہوئے
یا تنہا میں بستی تھیں دلِ منکاش پر
ایک پیغامِ عمل ننھے سرد آہوں کے لئے
چونک اٹھتی تھیں امیدیوں کی سبوتی ہوئی

ہائے کیا شب تھی فضا ئے دہر پر چھائی ہوئی
پریسکوں گہرائیوں میں ل کی طوفاں خیرِ رات
رات جو پھیلی محبت کی طرح خوشخوار تھی
گہرے گہرے رنگ بادل ہواؤں میں بھرے
ننھی ننھی بوندیاں گرتی تھیں فرشِ خاک پر
ترتر جھونکے ہواؤں کے امنگوں میں بے
منظرِ تاریک میں وہ دفعتاً اک روشنی

سُرنگوں تھا خواب راحت لذتِ غم دیکھ کر
 کروٹوں پر کروٹیں نیند پر آتی نہ تھی
 دل نے اکت کروٹا دھر بدل زمانے کی طرح
 دل کی وہ ہنسناں گلیا چونک اٹھیں اس یاد سے
 دل بدل جاتے تھے سینوں میں یہ عالم دیکھ کر
 خواب کی نازک پری تکلیف فرماتی نہ تھی
 یاد آیا تو ادھر بھولے فسانے کی طرح
 شورشوں کا سلسلہ پیدا ہوا فریاد سے
 سر آہوں کو گزر جانے کی راہیں مل گئیں
 سبر کی مضبوط بنیادیں، یکایک ہل گئیں

لاکھ روکا درد لیکن دل کو ترپا ہی گیب

لب پہ تیرا نام، آنسو آنکھ میں آ ہی گیب

بیمبیا اور عورت

آتش الفت کا چھوٹا سا شرر
 آب و گل کا پیکر آشفقہ حال
 اک پیہماہستی نوحہ طراز
 جس کا ہے دن رات نالہ پی کہاں
 دردِ دل کی کائنات مختصر
 اہل دنیا کو پیہماہ بدشگال
 رنگ و بو کی بزم کا ہنگام ساز
 جانے رہ جاتا ہے اس کا جی کہاں
 آہ کی جھلکتی ہوئی اک شخ پر
 جی اٹھے ہیں پیہم جھانے ہوئے
 کھیت لہریں لے رہا ہے دھان کا
 گر رہی ہیں نیم سے مسکوریاں
 جیسے پھولوں میں تروتازہ گلاب
 سُرنگوں ہے دیر سے زیرِ شجر
 اک حسینہ ملکہ حسن و شباب
 اپنا نازک ہاتھ رکھے شخ پر

کھوئی کھوئی تجسّر کو رو داؤں اپنے پر ویسی پیاس کی یاد میں
 شرم صدقے عشوہ بیباک پر کچھ دوپٹہ جسم پر کچھ خاکہ پر
 آم کے مانند چہرہ زرد ہے رنگ کہتا ہے کہ دل میں درد ہے
 اللہ اللہ حسنِ نعلیں کا اثر رہ گئی ہے کائنات اک حال پر
 محو غم کس درجہ یہ مہجور ہے جیسے اس منظر سے کوسوں دور
 اس کا منظر اس کی دنیا انظاً رس بھری آنکھوں سے پیدا انظاً
 پڑھیں کی سی آزادی نہیں نقش فریادی ہے فریادی نہیں
 اس کی شریادوں میں کہتا ہوں کہ اس کا نامہ کس قدر خاموش ہے

نسلِ انساں کے لئے غربت ہے یہ
 ضبط کی پٹلی ہے اک عورت ہے یہ

تیری یاد

یہ دل ابھی ابھی یوں مجھ کو ستا رہا تھا ہمدرد بن کے ظالم درد آزار رہا تھا
 شفاف آئینہ اک ایسا دکھا رہا تھا
 تو یاد آ رہا تھا تو یاد آ رہا تھا
 پیش نظر تھے کیسے گزرے ہوئے نظر جنت کے پھول تھے کچھ دوزخ کے کچھ شرار
 کچھ موت کے پہاڑ کچھ زلیلت کے سہارے
 تو یاد آ رہا تھا تو یاد آ رہا تھا

سب یاد آ رہے تھے بھولے ہوئے زمانے کچھ خواب تھے پرانے کچھ خواب تھے سہانے
 کچھ دل کی دھڑکنوں پر گائے ہوئے ترانے
 تو یاد آ رہا تھا تو یاد آ رہا تھا
 اک جنتی جہنم تھا آہ وہ زمانہ پہلے پہل وہ دل کی آواز لب تک آنا
 اور اپنا راز الفت اپنے ہی سے چھپانا
 تو یاد آ رہا تھا تو یاد آ رہا تھا
 دو سال تک وہ میر افقت کے سچ سہنا قصے ادھر ادھر کیے پہیہ دم دل سے کہنا
 وہ بھولنے کی کوشش وہ دور دور رہنا
 تو یاد آ رہا تھا تو یاد آ رہا تھا
 تھا زندگی کا دوزخ وہ ہجر اختیار ہر کوشش سکوں سے بڑھتی تھی پیچڑی
 وہ سعی ضبط پیہم پیہم وہ اشک باری
 تو یاد آ رہا تھا تو یاد آ رہا تھا
 اس کشمکش میں عالم ایسا ہی چکا تھا احساس کا خزانہ بالکل مٹا چکا تھا
 دنیا کی ہر لطافت دل سے بھلا چکا تھا
 تو یاد آ رہا تھا تو یاد آ رہا تھا
 کچھ جانتا ہے کیسا بے ربط خواب تھا زنگین داستانیں بے رنگ باتھا وہ
 جاڑوں کی چاندنی تھی مفلس شباب تھا وہ
 تو یاد آ رہا تھا تو یاد آ رہا تھا

کیا بھولنے کی شے ہے وہ تیرے پاس آنا مدت کے بعد لیکر کچھ دل میں آس آنا
 وہ بخودی کا عالم وہ بے حواس آنا
 تو یاد آ رہا تھا تو یاد آ رہا تھا
 دل میں طرح طرح کے سوئیاں تھیں جذبات آنے والے نقشے دکھا رہے تھے
 آنکھیں تھیں اشک افشاں لب لہر رہے تھے
 تو یاد آ رہا تھا تو یاد آ رہا تھا
 وہ دلہن کا عالم خود ایک زندگی تھی واماں و آستین میں نگہت بسی ہوئی تھی
 فردوس کو چہ کوچہ بہشت گلی گلی تھی
 تو یاد آ رہا تھا تو یاد آ رہا تھا
 اک حن متعل تھیں رنگینیاں نظر کی ہر لمحہ بنگیا تھا تکیں عمر سہر کی
 چمپائی ہر حسرت تھی ہر شام نیلو فر تھی
 تو یاد آ رہا تھا تو یاد آ رہا تھا
 جلوے کی تابشوں میں ہونے لگی تھی اک نیند تھی کہ جس میں کھوئی ہوئی تھی دنیا
 اک خواب تھا کہ جس میں کھوئی ہوئی تھی دنیا
 تو یاد آ رہا تھا تو یاد آ رہا تھا

اے دوست

اندوہ و الم گھیرے ہیں جب دلو اور اپنی طرف پھیرتے ہیں جب دلو
 امید کا تو شہما اور رنگیں چہرہ بھولے سے دکھاتا نہیں جلوہ اپنا

ناکامیاں مضحکہ اڑاتی ہیں جب محرومیاں قسمت کی رلاتی ہیں جب
 چھوٹی ہوئی منزلوں کا غم ہوتا ہے گزری ہوئی عمر کا الم ہوتا ہے
 ہوتا ہے یہ آشکار چہرے سے مر جیسے دل کے ہوئے میں ٹکڑی ٹکڑے
 اس دم لے دوست یاد آتا ہے تو میرے اشکوں میں مکر آتا ہے تو
 ہر رنج و الم کو بھول جاتا ہوں دل کو مسر و خوش دپاتا ہوں میں

اور یاد میں تیری محو ہو جاتا ہوں

گو یا کہ مسرتوں میں لکھو جاتا ہوں

معصومِ نغمہ

میرا فردوسِ محبت ہے سرِ نغمہ زار اور ان نغموں کا ہے بے ربط سانسوں پر مدار
 اسکی وسعت میں ہیں فضاں حسن کے پاکیزہ راز کتنی دوشیزہ ادائیں کس قدر معصوم ناز
 یاد اک پر کیفِ نغمہ کی دلاتا ہوں تجھے سرزمینِ بیخودی میں لے کے جاتا ہوں تجھے
 خواب کا منظر دہند کا سا فضا میں نیند سی کچھ شراب آمیز ہر موج ہوا میں نیند سی
 سامنے اک سرو قد تعبیرِ حسنِ ماسوا اس قدر اونچا کہ میرے دل سے کچھ یونہی بڑا
 حسنِ صورت پھول ایسے چاند کی جلوہ گری سرزمینِ دل میں جو چپکے کچھ ایسی چاندنی
 جامِ مے بڑھتا گیا بڑھتا گیا بڑھتا گیا لومبارک خطِ مینا نہ لبوں تک آگیا
 کوثر و نسیم کی ہلکی سی دو موجیں اٹھیں غمِ نخراتی کا بیتی تباہی تھیں جو موجیں اٹھیں
 اس کی لرزش سے ہویدا حکمِ مرگ ناگہاں اس کی جنبش سے نمایاں زندگی جاوداں
 اشک جو آنکھوں میں کھلائے وہ فرحت ایک میں زہر جو ہونٹوں پہ بن جائے وہ لذت ایک میں

شہد بھی ہے زہر بھی اُمرت بھی ہے اور مہو بھی
 یاد ہے وہ عالم تو اور اے مرگ و زینت
 سیکڑوں جلوں میں لرزاں تھی ہماری زندگی
 کچھ خماریں کیفیت کچھ مستیاں کچھ بخودی
 وائفہ جس کا ہے نامعلوم ایسی شے بھی ہے
 چھوڑ آئے تھے بہت پیچھے بنائے مرگ و زینت
 بجلیاں، قوس و قزح، تارکیں، تابندگی
 تیر بنفیس اشک آنکھوں میں، دلوں میں لگ سی

وَفَتْ سَا زِ تَنْفَسِ سَرِ مَدِی لے میں جھڑا
 اور فضاے عشق کا معصوم نغمہ گونج اٹھا

غزلیں

نہ ہنسنا مجھے چاہا نہ رُلانا چاہا
 حُسنِ بکر ہی رہی چاکِ گریبا کی اوا
 لطفِ توبہ ہے کہ تذیر سے عاجز ہیں
 مجھ پر اک اور شبِ غم یہ قیامت ٹوٹی
 غم نے اک پیکرِ تصویر بنا چاہا
 جوشِ وحشت نے بہت عیب لگا چاہا
 موت نے بھی کوئی آنے کا ہنا چاہا
 مسکراتے ہوئے تاروں کے ہنا چاہا
 دلِ مرحوم سا دیکھا نہیں پابند وفا
 ڈوبتے کیلئے آتش کے کا سہارا تھا
 جان پر کھیل کے ایمان بچا چاہا
 تم نے خود میری طرف ہاتھ بڑا چاہا
 ہم نے جب درد کا احساس چھپایا
 کوں اس عالمِ تختہ خیل میں رہ رہتا تھا
 بیٹھے بھٹلائے لیا مفت کا جھگڑا
 راہ بھولا تو مجھے کس نے بتا چاہا

دل دیوانہ کو کیوں راہ پہ لانا چاہا

۲

مجھے نوازشِ جلوہ بھی سازگار نہیں
ملے ہیں سب کی نشانی میں رِغِ ناکامی
ہوا نے دوش پہ رکھی ہو خاکِ پروانہ
خود اپنے ہوش میں آنے کا منظر نہیں
عدم سے واں مجھے لائی ہو آرزوی
وفا کا عہد وہ کرتے ہیں مجھ میں چپے
کہ آپ اپنی نگاہوں پہ اعتبار نہیں
وہ کون سی ہمتِ سا جو یادگار نہیں
شہینہ عشق کا لاشہ زمیں پہ بار نہیں
مجھے اب آپ کے آنے کا انتظار نہیں
جہاں کہ اپنی طبیعت پہ اختیار نہیں
نگاہِ یاس نہ کہدے کہ اعتبار نہیں

جمالِ یار بھی ہے دیدنی مگر زینبا
نگاہِ عشق میں کچھ بھی سوائے یار نہیں

۳

بہت مزاجِ محبت سے آشنا ہوں میں
مجاز ہوں چہ حقیقت کا مدعا ہوں میں
مری اُمید کے گیسو سنوارنے والے
سارے گوشِ برآواز، کائناتِ خموش
شعاعِ صبح میں اودھنی بسم کے
تجلیوں میں نہاں ہیں تسلیاں بھی کہیں
صبا صبا تری نکہستِ فروشاں شہو
کھینچے گا مجھ سے کہاں تک وہ دامنِ حُسن
بشر ہوں میں مجھے دعوے ہوش کیا زینبا
ہنسی بھی آئی ہے لب تک تور و دیا ہوں میں
اسی کی بات بنانے کو بولتا ہوں میں
ترے خیال کی دنیا سنوارتا ہوں میں
کہ جیسے اُن سے کوئی راز کہہ رہا ہوں میں
تجھے تو پچھلے پہر سے پکارتا ہوں میں
گلوں میں، دُڑوں میں، تاروں میں ہناتا ہوں میں
یہ کیا یہ کیا ہے کہ بے کیف ہو رہا ہوں میں
گناہ کر کے بھی کچھ روز دیکھتا ہوں میں
کہ ہوشِ وادیِ امین میں کھو چکا ہوں میں

۴

وفا یا فریب وفا چاہتا ہوں
جو تہمت ہو مجھ کو سنبھالیں دو عالم
کوئی زلیست کا آسرا چاہتا ہوں
توجہ پر لرزاں تغافل سے نالاں
کسی کی نظر سے گرا چاہتا ہوں
سنبھلنے نہ دیگی یہ قیدِ عناصر
خدا جانے میں اُن سے کیا چاہتا ہوں
غمو شہی مری ضبط کی ادعا ہے
سہارا ترے درو کا چاہتا ہوں
نظر کہتی ہے بولنا چاہتا ہوں
نقطہ ایک جلوہ، نقطہ اک تبسم
گناہ وفا کی سزا چاہتا ہوں
زہے حُسن مقصد کہ ہر دل میں زیبا
محبت کی نشوونما چاہتا ہوں

۵

کسی کے دل میں رمال بھی ہیں سجلی گرائے
بظاہر ایک مرجھائی گلی پر ہے نظر اپنی
مگر شائستہ جلوہ نہیں تیور زمانے کے
وہی نعمت جنہوں نے مجھ کو کافر آج ٹھہرایا
مگر پیشِ نظر ہیں حادثے کیا کیا زمانے کے
سحر ہوتے کسی کی بانسری سکر تڑپا اٹھا
یہ قلبِ ناتواں اور اس پہ دعو غم اٹھانے کے
بُجھائے صبحِ روشنِ قلب پروانہ کے شعلے بھی
ارادے ہیں فقط کیا شمع کے تیور بچانے کے
اسیروں کو سنہری بیڑیوں کی قدر کیا ہوگی
قفس کو کب سرا سینگے یہ بند آشیانے کے
وفا و صبر نے رودادِ الفت کیا سے کیا کر دی
ہزاروں مرثیے لکھے گئے اپنے فسانے کے
دھڑکنے والے دو دلوں کا ایک دل سمجھیں
ارادے عشق کے ہیں اس طرح دو دل ملا کے

مقدر اس لائے عشق کی آسودگی زیبا
ہیں بھی زیرِ خبر حوصلے ہیں مکرانے کے

سازِ صدِ رضوی۔ بی۔ اے۔ ال۔ ال۔ بی (عثمانیہ)

[ان کی نظموں میں سازِ حسن و عشق ہمیشہ بختا رہتا ہے۔ نشہِ الفت میں مدہوش ہو کر ہوشِ اپنے دست کو پکارتے ہیں۔ کبھی کبھی قدرت کا حسن بھی انھیں تڑپا دیتا ہے جو ان کے ”حبیب“ ہی کی خوبصورتی کا پرتو ہے۔ زبان میں لطافت، ترکیبوں میں شیرینی اور نرم لہے ہوئے اپنا نعمت سنا تے ہیں۔ انکا دل دنیا کی کثافتوں سے دور عشق کی پاک سرزمین میں رہتا نظر آتا ہے، یہی اثر ہے کہ ان کے نغمے آبشار کی طرح بہتے ہیں اور ہر زمین میں نئے انداز سے اپنے بہاؤ کا ایک ہی راستہ نکال لیتے ہیں۔

”معتیہ“ اور آرزوئے رنگین میں ان کی نغمہ سرائی پورا رنگ دکھا رہی ہے۔]

تلاشِ سکون

مرا سکون یہ دنیا ہے ہائے وہوئیں نہیں جہاں حسن کی امواجِ رنگِ بومیں نہیں
 نہ جلوہ سحری میں نہ آفتاب میں ہے نہ شام میں نہ شفق میں نہ ماہتاب میں
 نہ سوز و ساز میں نہ بربط و رباب میں جہاں شعر میں نئے کر بے اضطراب میں
 نہیں مناظرِ فطرت کی دل نوازی میں

نہیں جہاں حوادث کی کارسائی میں

ہزار بار لب جو کی سیر کی میں نے بہارِ سبزہ گل میں شراب پی میں نے
 طلب کیا کبھی کہسار کی گھٹاؤں سے کیا سوال کبھی صبح کی ہواؤں سے
 عزیز دوست خودی میں بھی اکے دیکھ لیا کبھی خجیہ کبھی خود کو بلا کے دیکھ لیا

چمن چمن میں بہار و خزاں سے پوچھ لیا کلی کلی سے گل و گلستاں سے پوچھ لیا
 زمیں سے مانگ لیا آسمان سے پوچھ لیا غرض کہ ساز نے دونوں جہاں سے پوچھ لیا
 مگر سکون اسے کائنات دے نہ سکی!
 تمام شور و شبنم حیات دے نہ سکی!
 مری تلاش پہ اے دوست مکرانے جا مرے جنونِ محبت کو آزمائے جا
 سمجھ گیا جو مری جستجو کا حاصل ہے مری حیات تری آرزو کا حاصل ہے
 تری خوشی میں نہاں ہیں ستریں میری
 سمٹ گئیں تری ہستی میں خنیں میری

واردات

مرے حبیب یہ تاکید ضبطِ غم کیسی تجھے یہ فکر فراموشی کرم کیسی
 خیال ترک و فانی سے کانپ جاتا ہوں سنبھال اے غم الفت کہ لرزہ اٹاتا ہوں
 بس ایک ہن ہوا اسی ہن گیا ہے جاتا ہوں ترا سکوت و فانا آزمائے جاتا ہوں
 یہ جانتا نہیں کس سمت جا رہا ہوں ہے اتنا ہوش کہ تھکوا بلارہا ہوں
 خدائے عشق کو اپنا بنارہا ہوں میں تو مجھ سے دور نزدیک آ رہا ہوں
 رواں دواں ہو کہیں مجھے قیام نہیں یہ بخودی مری یا بندِ صبح و شام نہیں
 جو اس کے سجدوں کو ملجائے پائے نازا
 خوشی سے جان ہی دے دے غریبِ آتزا

”مغنیہ“

ابھی اے حسین مغنیہ یونہی گائے جا یونہی گاجا
ہے سکوں طلبِ غم زندگی غم زندگی کو مٹائے جا
جو نظر پہ پشوس و خرد کے پردے پہ نہیں بھٹکے جا
تو فضا کی وسعت بیکراں پہ شرابِ نغمہ بہائے جا
یہ نشاطِ حوس کی داستانِ جوسا ہی ہے سائے جا

ابھی اے حسین مغنیہ یونہی گائے جا یونہی گاجا
ترے نغمہ ہائے سرود میں کبھی لذتیں ہیں شراب کی
کبھی غم نوازی عشق ہے کبھی کیفیاتِ غیر کی
کبھی سحر کاری حُسن ہے کبھی لغزشیں ہیں شباب کی
کبھی سنجِ کوشِ مرتیں ہیں مگر جہاں خراب کی

ابھی اے حسین مغنیہ یونہی گائے جا یونہی گاجا
مری روحِ نشہ ساز ہے ابھی اسکی بیاس کبھی نہیں
جو تصورات نہ پاسکیں وہ نشاطِ ازلیت ملی نہیں
جو یہ بصورتِ اشک بھٹکنا نصیبِ سی خوشی نہیں
مرے دل کی سرِ دکنِ فتوں میں لطیف خندِ زنی نہیں

ابھی اے حسین مغنیہ یونہی گائے جا یونہی گاجا

ابھی مجھ کو اپنی خبر ہے میں یہ طلب ہم ہوش مٹا دوں
جو کسک ہے درد کی دلیں اس کو نوائے غم سکھا دوں
جو مشاہداتِ نظر میں خوابِ خیال ان کو بنا دوں
میں خودی کو اور خودی کی ساری حقیقتوں کو بھلا دوں

ابھی اے حسینِ مغنیہ یونہی گائے جا یونہی گائے جا

آرزوئے رنگین

جب بات کی گہری تاریکی خاموشی خلا پر چھا جائے
جب ننھے ننھے تاروں کی آنکھوں میں نیند سہا جائے
جب گردشِ بہم سے تھک کر جنگل کی ہوا بس جا جائے
جب فکرِ حال و مستقبل مٹ جاوے مایہ ہستی سے
جب ہستی کی ہر موجِ نفسِ مخمور تر سرابِ راحت ہو
جب ٹوٹ کے تیارہ کوئی نایکیوں میں گم ہو جائے
جب لیلائے شب کی زلفیں جاٹیں کمر کاٹ بلکھاکر
جب لیلائے شب کی زلفیں جاٹیں کمر کاٹ بلکھاکر

کہ سار کی چوٹی سے جھانکے وہ لالہ گوں بدستِ فخر
یا انگڑائی لیکر اٹھے رنگین گلوں کے بستر سے
یوں جیسے کوئی دوشیزہ مخمور نگاہوں سے تاکے
جب بہکی بہکی کرنوں کا احساسِ خواہِ بہائی
جب چاند کے روشن چہرہ پر بادل کی زلفِ پریشانی ہو
فطرت کے حیلِ نظاروں میں جب جنبِ نظر کے ساک ہو
جب دریا کے آئینہ میں وہ پرتوِ انجمِ قصاں ہو
جب حسن کی رنگین دنیا میں معصوم فرشتے خنداں ہو

جب جگمگ جگمگ کرنے لگے پتی پتی ڈالی ڈالی وہ روشن خواب بنے دنیا ہو دیکھے جو گن منوالی

جب چاروں طرف خاموشی ہو بہوشی ہو بہوشی ہو

فطرت کی مکمل خاموشی پیغام سکون کا دیتی ہو

تو ایسے زرب لمحوں میں میری خیالی دنیا میں رنگین تصویر کی رنگیں پر کیفِ خماری دنیا میں

اک نغمہ و لکش بن کر آ اور دل کی گہرائی میں آتر احساں سست بن کر آ اور چھا جا میری ہستی پر

پیکانِ لطافت بن کر آ ٹھہرے حیرت بن کر آ تصویرِ شرارت بن کر آ اور دمِ حبت بن کر آ

تسکین کی دنیا بن کر آ یاد رکھا عالم بن کر آ یا عیشِ محبت بن کر آ یا پیکرِ صدم بن کر آ

پیمانِ استی بن کر آ بھولی ہوئی ہستی بن کر آ ادراک کی آنکھیں کھل جائیں وہ عالمِ ہستی بن کر آ

آ غمگین زینت کا سرمایہ کر دوں میں زرق و برق پر بند

آنکھوں کے آنسو دل کی جلن ٹھنڈی آیں صبر و قوت

مر جاؤں فرطِ مسرت سے دل میرا اتنا شاداں چہرہ سے عیاں ہو جوشِ طرب ہوٹوں تپسمِ قصا

پر نور ستاروں کے چہرے اس دم پر مردہ کو ہوں

چاند آونگھ رہا ہو بادل میں اور دنیا والے تجھ کو ہوں

میری ایک رات

رات کا پچھلا پہر ہے سو گئی ہے کائنات بے خبر ہر کشمکش سے ہو گئی ہے کائنات

ایک سنجیدہ خاموشی ہے زمیں چر سکراں ایک گہری نیند میں سو یا ہوا ہے آسماں

چاند شب کی آخری منزل کی جانب رواں اور ساکن دو دیوانی بادلوں کے بادباں

ہے افق کے سبز کہاروں پہ ماہِ زردرو پھیلکی پھیلکی مضمحل سی چاندنی ہے چار سو

جیسے دہقان کی شکستہ خالیوں کا انتشار یکسی بیوہ کا ہو جیسے شباب سو گوار
پھول یوں مر جھکا رہیں گلشنِ افلاک کے مُندلِ ناسور ہوں جیسے دلِ صد چاک کے

یہ اُداسی یہ خموشی یہ جمودِ بے حسی!
موت کی آنکوشش میں سوتی ہے گویا زندگی!

ایک سناٹا سا ہے ہر سیز پر چھایا ہوا اے خدا سوتے ہیں کیا اس وقت سب میسر
ایک دنیا تو خمارِ خواب میں محمور ہے ایک میں بھی ہوں کہ مجھ سے نیند کو سو دور

چٹکیاں لیتی ہے دل میں یاد اُن ایام کی!
دفن ہے اک داستانِ جن میں دلِ ناکام کی!

دل میں ہے موہوم اور مبہم خیالوں کا جھوم اور تڑپاتے ہیں اس کو ڈوبنے والے نجوم
دورِ نامعلوم و حسدِ لی سی فضاؤں میں کہیں تھی مری تختیل کی رنگین و روشن سَزمیں
اس جہانِ رنگِ بوسے اس فضا نور سے شعر و موسیقی کی رنگیں جلوہ گاہِ طور سے
وہ کہ جو ہے مطرب و مضرب سازِ زندگی وہ کہ جو ہے بانیِ مسوز و گدازِ زندگی
وہ کہ نہلایا ہے میں نے اپنے اشکوں سے وہ کہ برمایا ہے میں نے اپنے نغموں سے جسے
اک سیہ چادر میں سارا جسم لپیٹا ہے ہو حُسن کی رقصیدہ موجیں اس میں سمٹا ہوئے
ریشمی زلفیں کمر تک اپنی لٹکائے ہوئے پشت پر کچھ اور کچھ سینہ پہ بکھرائے ہوئے
مست آنکھوں سے مئے کلفام چھلکاتا ہوا جنبشِ لب سے حسیں نعتِ برساتا ہوا
ہر قدم پر سحرِ موسیقی کو محسوس کرتا ہوا ذرہ ذرہ میں فضا کے رُوح دوڑاتا ہوا

آپ ہی اپنی اداؤں میں وہ بل کھانے لگا
مکراتا جھومتا میری طرف آنے لگا

چپکے چپکے قلب کی گہرائیوں میں آگیا
رفتہ رفتہ رُوح کی بیتابیوں پر چھپا گیا
نیند نگر چھپا گیا وہ میری چشم زار پر
اور دھمکتا کر گرم آنسو آگئے رخسار پر

بند آنکھیں ہو رہی ہیں نیند اب آنے لگی!
صبح کا تارا وہ ڈوبا اور سحر گانے لگی!

بھول نہ جانا عہد وفا کو

ساز کو "سازی" کہنے والے	غم الفت کا سہنے والے
پر وہ دل میں رہنے والے	بھول نہ جانا عہد وفا کو
ہو گیا اب جو کچھ ہونا تھا	کھو دیا ہم نے جو کھونا تھا
روئینکے قسمت میں رونا تھا	بھول نہ جانا عہد وفا کو
میرا خزانہ میری دولت	تیری چاہت تیری چاہت
تیرا غم ہے میری امانت	بھول نہ جانا عہد وفا کو
دل میں ہر دم ہوک اٹھیں گی	روتے روتے غم کی لگی
میری دنیا خوب لٹکی	بھول نہ جانا عہد وفا کو
دل کو ترا احساس بہت ہے	چاہ کا تیری پاس بہت ہے
جینے کو یہ آس بہت ہے	بھول نہ جانا عہد وفا کو

نئی دنیا

مرے ہدم وہیں اپنی نئی دنیا بسا ئینگے
ہم آہنگی فطرتِ سادگی مفہوم رکھتی ہو
مسل سوزالفت زندگی مفہوم رکھتی ہو
پریش محویتِ وارتگی مفہوم رکھتی ہو
سرور و سحرِ نعمت خاموشی مفہوم رکھتی ہو
جہاں ہر بے حسی غم منہی مفہوم رکھتی ہو

مرے ہدم وہیں اپنی نئی دنیا بسا ئینگے
کبھی بادل ہو اپر لوٹا متانہ وار آئے
برستا گنگنا نا کو ہساروں سے گزر جائے
فضا بھگی ہوئی ہو پتہ پتہ پر نکھر آئے
درختوں ندی نالوں سبزہ زاروں پر بہا آئے
لب دریا شفق کا عکس ہو پودوں کے سائے
خمار و خواب کی دنیا میں فطرتِ ڈوب سی جائے

مرے ہدم وہیں اپنی نئی دنیا بسا ئینگے
سرِ مغرب زمین و آسماں جب کھوئے جاتے ہو
شفق کے لالہ زاروں میں کشن مرلی جاتے ہو
اندھیری رات میں جگنو جہاں شمعیں جلاتے ہو

جمالِ فطرتِ معصوم کا جب دو جگاتے ہوں
 رواں ہو بادلوں میں چاند تارے کراتے ہوں
 کسی دنیاۓ نادیدہ کی جانب بہتے جاتے ہوں
 مرے ہم دم وہیں اپنی نئی دنیا بساؤنگے
 افق پر صبح دم سورج جو بل کھاتا ہوا آئے
 جھجکتا کیکیا تانا نور کھیراتا ہوا آئے
 وضند لکے میں سیس کر نوں کو بھیدلاتا ہوا آئے
 ستارے سوتے دریاؤں پہ پرساتا ہوا آئے
 شفق کے پردہ ہائے زر کو سرکاتا ہوا آئے
 بہ اندازِ عروس نو وہ شرماتا ہوا آئے

مرے ہم دم وہیں اپنی نئی دنیا بساؤنگے
 تمھارے کمرانے پر جہاں غنچے چمکتے ہوں
 تمھاری سانس کی موجوں سے رگیں گل مہکتے ہوں
 تمھارے گنگناتے پر جہاں طائر چمکتے ہوں
 تمھارے دیکھنے پر چاند اور تارے یہ مہکتے ہوں
 تمھیں سرور پا کر حشمتِ ہائے کوہ منستے ہوں
 تمھارے قہقہوں سے جانفزائے برستے ہوں

مرے ہم دم وہیں اپنی نئی دنیا بساؤنگے

سر اپا

چہرہ نور مہر و خشاں عارض روشن ماہ تاباں
 برق نگاہیں تارے کھینچیں کاکل پریشاں ابر بہاراں
 گفتار و لکڑی و شیریں رفتار فتنہ محشر بہ داماں
 آواز لبریز موسیقیوں رہزن دل مضرب گجاں
 نہر قہقہہ گو یا قفل مینا ہر مسکراہٹ صبح خنداں
 رنگین پیکر حسن شرابی تخیل فطرت تحصیل امکاں
 جانِ ملاحت کانِ حبیب از سر تا پار و جگہ گستاں
 مستی سراپا شعر مجسم حسنِ مکمل شاعر کارماں

اے ساز وہ دشمنِ ہوش یا

مستانہ لغزشِ رقصا خنداں

تو پھر یہ کیا کہا میری وفا کو بھول جاگے

میں اپنی ساری رختیں نہاں تم پہ کر چکا
 سکوں طلبِ وفا کی منہ زلوں سبھی گزر چکا
 جب اپنی روح و قلب کو میں درد و غم سے بھر چکا
 ہنزار بار کہہ چکا کہ ہاں میں تم پہ مگر چکا

تو پھر یہ کیا کہا میری وفا کو بھول جاؤ گے

سرورِ زلیبت بنکے تم فضا ئے دل پہ چھائے
 نشاطِ مرگ کی طرح وجود میں سما گئے
 میرے زمین و آسماں کچھ اور ہی بنا گئے
 تم ہی تو ہو جو مجھ کو اپنا بھولنا سکھا گئے
 تو پھر یہ کیا کہا ”میری وفا کو بھول جاؤ گے“
 سما کے مجھ میں تم نے زلیبت کا نیا مزہ دیا
 حیاتِ جاوداں کا درسِ رُوح کو پڑھا دیا
 فضا کو اپنی مسکراہٹوں سے جگمگا دیا
 تمام کائنات کو حسین تر بنا دیا
 تو پھر یہ کیا کہا ”میری وفا کو بھول جاؤ گے“
 وہ مسکراہٹیں جو میرے دل میں جذب ہو چکیں
 وہ آنکھیں جو مرے لئے ہزار بار رو جکیں
 جو کیفِ رُوح میں نظامِ قلب کو ڈبو چکیں
 میں ان کو بھول جاؤں گا جو مجھ کو مجھ سے کھو چکیں
 تو پھر یہ کیا کہا ”میری وفا کو بھول جاؤ گے“

میرا وہاں مزار ہو

دامن کو ہسار ہو چادرِ سبزہ زار ہو
 پاس ہی جو بسا ہو موج بھی بیقرار ہو

بلبل و لفقار ہو نگہت گل نثار ہو
آتش لالہ زار ہو چاروں طرف بہار ہو
میرا وہاں مزار ہو

میرا دنیاں مزار ہو
بھیلی ہو بوئے یامین پھول ہو مثلِ سیمین
گو بختا ہو گلوں کا بن جب ہو طیو نغمہ زن
غنیچہ بھی کھول دے دین دیکھ کے بادہ کہن
جیکہ شفق وہ گلبین چرخ پر آشکار ہو
میرا وہاں مزار ہو

میرا وہاں مزار ہو
بھیلی ہوئی پہاڑیاں شوخ ہو جن کی متیاں
سب عمیق وادیاں جھوم رہی ہو ڈالیاں
جھار یا مثلِ کہکشاں رقص کتاں ہو تلیاں
تختہ گل کے درمیاں شورش آبنار ہو
میرا وہاں مزار ہو

میرا وہاں مزار ہو

سکسینہ - ہندراج ایم ایس سی عثمانیہ

[رباعیات کے مشکل میدان میں ان کی طبیعت اپنی جولانی دکھاتی ہے۔ ان کے پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سائنس کی دنیا میں بھی ”میںجائے“ کی مستیاں موجود ہیں۔ یہ خیام کی طرح صرف عشرت پسند نہیں بلکہ سکون پسند بھی رہنا چاہتے ہیں انھیں دنیا کی ہنگامہ آرائیوں سے دور رہنے کی تمنا ہے۔ صاف ستھری زبان اور لطیف خیالات کی وجہ سے ان کی رباعیاں اپنا اثر کئے بغیر نہیں رہتیں۔]

رباعیات

ہوتا ہے مرا شمار میخواروں میں مشہور ہوں رندوں میں قدح خواروں میں
اک گوشہ میںجائے سنبھالے ہوں میں جاتا نہیں سکرکاروں میں درباروں میں

کیا خوب کہ اس عمر میں توبہ کیجئے صاحب پیری میں شغلِ بادہ کیجئے
بیہمانہ عسر ہے تہی ہونے کو اب بھی جو نہ پیچھے تو پھر کیا کیجئے!

کیا شیخ کی سنتا ہے ادھر آپی لے دو دن تو ملے ہیں زندگی کے جی لے
بجھنے کو ہے یہ شر کسی لمحے میں دو گھونٹ سہی دوا سمجھ کر پی لے

پڑتا ہے مراقبہ قدم کے آگے جانا ہوں میں جیٹھ عدم کے آگے
ہوتا نہیں واسطہ شیخ و برہن کا گذر منزل ہے مری دیر و حرم کے آگے

یہ منصب و جاہ پر اکرنے والے یہ نشہ سیم و زریں سرنے والے
سن لیں کہ فلک کہتا ہے بابائے گاہل اک روز یہ ہیں زمیں میں گرنے والے

اٹھ بادۂ زلیبت بھی تھوڑی سی ساغر بھر لے کہ ہے ابھی تھوڑی سی
فکر فردا میں بے خبر وقت نہ کھو پی لے باقی ہے شب بھی تھوڑی سی

کیا جانے قسمت میں ابھی کیا کیا ہے حصے میں ابھی رہی سہی کیا کیا ہے
یوں بھی جو گزر جائے غنیمت جانو کس نے دیکھا ہے اور ابھی کیا کیا ہے

پیر گردوں کی سختیاں کم نہ ہوئیں تقدیر کی جیرہ دستیاب کم نہ ہوئیں
دنیا ہر روز جنگ ہوتی ہی گئی لیکن مری فاقہ مستیاں کم نہ ہوئیں

جھکڑے میں ہیں کفر و دین دنیا والے بندوں کو لڑا رہے ہیں اللہ والے
دنیا کو بنا چکے ہیں دوزخ لیکن جنت کی تلاش میں ہیں عقیقی والے
جو بات بھلی ہو اس کو سن لیتا ہوں غیروں میں بھی ہوں اگر تو گن لیتا ہوں
باغِ عالم میں ہوں مثالِ گلچیں کانٹوں سے پھول پھول چن لیتا ہوں

سروش - ابوالنصر فتح اللہ مرحوم بی - آ عثمانیہ بیچ لکھی

[جامعہ عثمانیہ کا جو امرگ ہو ہمارا شاعر ہے۔ خوش ذوقی اور ذہانت بلا کی تھی افسوس ہے کہ ترقی کی منزل پر لکر موت نے انہیں ہم سے جدا کر دیا۔ عمدہ شاعرانہ ماحول میں اگلے ذوق شعری کی پرورش ہوئی تھی تنجیل جو ان طبیعت میں دور اور طرز ادب میں ایک بائیکین تھا۔ اگر یہ زندہ رہتے تو نظم میں انکا نیچرل رنگ اور غزل میں قدیم انداز کی شوخیاں بہت نکلتیں۔ کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ طبیعت غزل گوئی کی طرف زیادہ مائل تھی جس میں جگہ جگہ خیال اور زبان کی بھیلیاں ہی کو ندقی نظر آتی ہیں۔]

چاندنی رات

ہے شب مہتاب میں جلوہ چراغ طور کا
نور کی موجیں روا ہیں آسمان پر چارو
چاندنی ہے یہاں ہے بحر پر سکوں سیما کا
اتصال تیرگی و نور ہے خلد نگاہ
چھار ماہ ہے ہر طرف عالم پہ عالم نور کا
چاند حسرت چشمہ ہے گویا آبشار نور کا
یاز میں پر فرش ہے اک چادر بلور کا
ہے یہ دورنگی دو پہر کس ہستی نور کا

شعلہ بارو ہے رقصاں پر تو مہتاب

اک جہاں حسن ہے اس نور کے سیلاب

یہ زمیں خاموش ہے وہ آسمان خاموش ہے
ہیں ستار آسمان پر ہر طرف بکھرے ہو
عندلیبوں کی ترنم ریزیاں ہو چکیں
محفل قدرت بساں گل سراپا کوثر ہے
یادہ راحت سب کون و مکان ہوش ہے
نوع و جنس چرخ گویا سر بسر گلپوش ہے

سازِ مہنتی کی تلاطم خیز بیاہٹ گئیں ربطِ عالم سے پیدا نغمہ خاموش ہے
 مادِ فطرت نے بھونکا ہر طرف افسوں جو آ
 قلبِ شوریدہ مگر اب بھی ہے وقفِ اضطرا

کونل

اے مطربِ سحر آفرین اے طائرِ حُب و دلنوا
 تیرا ترنم دل نشین تیرے ترانے جاں فزا
 پروردِ تیری کو کہے ہے پُر اثر تیری صدا

۲

تائیں تری سنتا ہوں اک کنج میں بیٹھا ہوا
 سنتا ہوں سر دھنتا ہوں اک کیف میں ڈوبا ہوا
 اے طائرِ جادو نوا کیا سحر ہے نغمہ ترا

۳

آواز آتی ہے تری لیکن نہیں تیرا پتا
 لے مجھ کو بھاتی ہے تری اے مطربِ غمگین نوا
 ہے مجھ کو تیری جستجو کس جا ہے تو سچ سچ بتا

۴

اے غائبِ زاوجِ نظر تو کس جگہ مستور ہے
 یا تو کہیں اکاسِ پر دھرتی سے کوسوں دور

یا تو فقط اک نور ہے جو راگنی میں وصل گیا

۵

کیا جسم سے عاری ہے تو کیا تو محض آواز ہے؟
خاک کی ہے یا ناری ہے تو ہستی نری کیا راز ہے؟

۶

کس سے تجھے تشبیہیں آخربنا اے بے مثال؟
تیری صفت کیوں کر کریں دورائیں کس کس جاخیا؟

۷

جیسے کوئی سا نورستی اپنے سجن کی یاد میں
کالے جدائی کی گھڑی اک نغمہ ناشاد میں
اور اس کی خلوت کا وہ آئے رقم کی صدا

۸

یا جیسے جو ہی کی کلی تپوں کچھ مٹ میں نہاں
اک خندہ زیر لبی کے ساتھ ہے نگہت فشا
اور اس کی نگہت دور تک پہنچا دے رہوا صبا

۹

مجھ کو بتا اے خوش بیا مضمون اپنے گیت کا
ہے جنگ کی یہ داستاں یا کوئی بھکر لہر بیت کا
یا سرگذشت وصل ہے یادِ روفرت کی کتھا

کیا مور سے کرتی ہے تو ^{۱۰} اپنی محبت کا بیس
 یا آم پر مرتی ہے تو یا تو ہے اس کی طرح خوں
 جو ہر جگہ مستور ہے جو ہر جگہ ہے رونا

۱۱

مجھ کو سکھا دے اپری یہ سوز یہ طرزِ فغاں
 یہ حسرت یہ بے خود گری سن کر جسے سارا جہاں
 بن خود ہو یوں جس طرح بن اس وقت ہوں کھو یا ہوا

گزلہ

ہم پہ اگلی سی عنایات نہیں کیا ہوئی بات کہ وہ بات نہیں
 کیا وہ اب گردشِ دوراں ہی کیا وہ اب پہلے سے دن رات نہیں
 کیا وہ اب نیر و خستہ نہ رہے کیا وہ اب ارض و سماوات نہیں
 کیا وجہ ہے کہ وہ اب تم نہ رہے کیا وجہ ہے کہ وہ حالات نہیں
 یا شبِ روزِ غم آنا جانا یا مہینوں سے ملاقات نہیں
 یا محبت کے تھے لاکھوں پیماں یا عداوت کی بھی اک بات نہیں
 ہے یہ اظہارِ حقیقت ورنہ مجھ کو منظور شکایات نہیں
 جو گذرتی ہے وہی لکھتا ہوں میرے اشعارِ خیالات نہیں

دردِ دل کس سے بیا کیجے سروش

کوئی مستفسرِ حالات نہیں

غزلیں

شرم کہتی ہے کہ تاج بند تقاضا کیجے
 دل ادھر وقف تقاضا ہے کہ بریں گئے
 جی میں آتا ہے لگا دیجئے اس کو گنگ
 دل میں اپنے بھی نہاں اثر سوز و گداز
 واہ کیا ابر ہے کیا موج ہو کیا پرست
 شبنم جی آپ بھی واللہ غضب نہاں
 لطف دیتی ہے بگڑنے کی اور کیا کیا
 شغل ہے چاک گریبانی کا اچھا لکین
 آپ کو خوشی زندان جنوں کیا کام
 شوق کہتا ہے کہ بھر عرض تمنا کیجے
 وہ ادھر محو تغافل ہے کہ تڑپا کیجے
 اک نظام ملکی اور ہی پیدا کیجے
 شمع کی طرح مگر کس لئے چرچا کیجے
 آج خالی خم و پیمانہ و مینا کیجے
 رند اور جام سے توبہ اچی توبہ کیجے
 جی میں آتا ہے کہ بھر شکوہ بجا کیجے
 آج کا دن تو گزر جائیگا کال کیا کیجے
 آپ گیسوئے سسل کو سنوارا کیجے

شمع خورشید بجھا دیجئے آہ دل
 شعلہ عشق سے دنیا میں اُجالا کیجے

۲

ہم بُرا کب کسی کو کہتے ہیں
 یہ جو ٹیٹھا سا درد ہے دل میں
 میرے رونے کا نام ہے باراں
 بعدِ ناکامی یہ کھلا تقدیر
 یہ جو کہتے ہیں برق یا سیلاب
 اپنی ہی یکسی کو کہتے ہیں
 کیا محبت اسی کو کہتے ہیں
 برق ان کی مہنی کو کہتے ہیں
 عقل کی بے بسی کو کہتے ہیں
 دل مضطرب بھی کو کہتے ہیں

دل لگی کچھ نہیں لگانا دل درود دل کی لگی کو کہتے ہیں
عشق میں عرضِ مدعا کے لئے گفتگو خامشی کو کہتے ہیں
بے عمل جو ہے وہ نہیں زندہ کشمکشِ زندگی کو کہتے ہیں

۳

ایک لذت ہے سیرِ دریا میں اک تماشا ہے کوہ و صحرا میں
سو مجالس ہیں کنجِ عوالت میں لاکھ نغمے ہیں قصرِ دریا میں
سُن نوائے سرود اے غافل نغمۂ آبشار و دریا میں
ہنس نہ سُن کر ہزار مضمون نالہ عند لیبِ شیدا میں
کل تنہا ساقی یہ عالمِ مستی کتنے مضمون تھے لغزِ شبنم میں
اتنا ٹوٹا کہ فسق کچھ نہ رہا اُن کے وعدے میں میری تپ میں
زائدِ شکست اور قصِ سرود کتنی کیفیتیں ہیں صہبا میں

ہم تو ڈھونڈیں گے وہ ملے نہ ملے

لطفِ مضمون ہے سعیِ حیا میں

۴

کیوں مجھے اتنا الم دوست بنایا یارب میرے ہنسنے میں بھی اک غم کی ادا ہوتی ہے
ایسی رُک رُک نکلتی ہے فغاںِ سینہ سے جیسے اک سازِ شکستہ کی صدا ہوتی ہے
اس پہ تقریرِ فدا، اس پہ فصاحتِ قربا خامشی اہلِ محبت کی بھی کیا ہوتی ہے
یہ تو ممکن ہے کہ دلِ مجھ سے جدا ہو جائے پر کہیں دل سے تری یاد جدا ہوتی ہے
داستانِ اپنی جوانی کی سنا لے واعظ اب تو پیری میں بہت یادِ خدا ہوتی ہے

پھر یہ مومسے سے سرِ طور الجھنا کیسا
 التجاہلِ متاشاکی ہے تجھ سے بے سود
 جب تجلی ہی تری ہوش رُبا ہوتی ہے
 خود نمائی تری خود پردہ کُشا ہوتی ہے
 غنتِ بلا تری ترکیب بدن پر تیراں
 شاعری تیری نزاکت پہ قدا ہوتی ہے
 حال کھل جائیگا رندوں پہ ترا اے زاہد
 دیکھ غماز بڑی لغزشِ پیا ہوتی ہے
 ہے خموشی ہی سر و شس اس کے لئے کچھ موزوں
 بات دل کی کہیں لفظوں میں ادا ہوتی ہے

سکسینہ ڈاکٹر رکھونند راج ایم بی۔ بی۔ ایس (عثمانیہ)

[پھوٹے بھائی کی طرح انھیں بھی رباعیاں کہنے کا ذوق ہے۔ انھیں دیکھ کر ایک اور ڈاکٹر مل جاتا ہے جو
پوست و استخوان کی دنیا میں روح کی لطافتوں کا دیکھنے والا ہے۔ یہ زندگی کی مسرتوں کے جلد گزرنے پر اکیلے
کرتے ہیں ان کے تخیل میں ایک قسم کی شوخی ہے، اپنا حساب بیاں کرتے ہوئے خدا سے انکاریہ کہنا
”کچھ تجھ سے ہوا ہے سہو کچھ مجھ سے ہوا“

نشیہ بہت دنوں تک یاد رہے !

رباعیات

گم کر دو رہی سے اپنی تنہا جاتا ہوں جادے سے گھڑی گھڑی بھٹک جاتا ہوں
مقصود حیات کو سمجھتا ہوں سراب سایہ سے بھی اپنے میں کھٹک جاتا ہوں

ہر تیر بستم نشان پر آتا ہے ہر مرحلہ اب تو جان پر آتا ہے
مرنے کی ہوس مری بناوٹ کیوں دل میں جو ہے زبان پر آتا ہے

احباب میں لطف کی وہ خوبوند رہی بلبل میں وہ سوز عشق کی خونہ رہی
دنیا سے اڑا ہے رنگ کی سب کا پھولوں میں وہ رنگ روخِ شبنم رہی

مستی بھی گئی شراب و کوڑہ بھی گیا ایماں بھی گیا نماز و روزہ بھی گیا
حاصل نہوا نہو سکا سر حیات اس عزم میں مگر دم دور روزہ بھی گیا

مسجود زمانہ میں سدا پریت رہی ہر گوشہ عالم میں ہی ریت رہی
عاشق کے اسی داؤں پہ پو بار ہیں دنیا کی اسی پالنے پس جیت ہی

گر حال بُرا ہے تو گنہگاروں کا کچھ ٹھاؤ ٹھکانہ نہیں بیچاروں کا
آدھی ہے ادھر جان خدا ڈر سے واں عیش ہے دن رات خدا واروں کا

تو روک لے گر ہاتھ تو پھر دیکھا کون مسجد سے میں ہٹ جاؤں تو پھر دیکھا کون
سب میری شہنشاہی تری ہمت پہ تو ہے تو کھل کے نہ بختیگا تو بخشش کا کون

مت پوچھ کبھی پھر گنہ گنہ مجھ سے ہوا دل مجھ کو دیا جرم یہ خود تجھ سے ہوا
لا۔ آج حساب اپنا بے باق کرو کچھ تجھ سے ہوا سہو کچھ مجھ سے ہوا

شکِیب - بدرالدین خاں بی۔ اے، ال ال بی (عثمانیہ)

[اپنے مزاج کی طرح ستھر، تخیل اور صاف بیان پایا ہے۔ بات ہمیشہ سیدھی کہتے ہیں۔ ان کلام میں ایک ہلکی سی افسردگی پائی جاتی ہے جو دل پر اثر کئے بغیر نہیں رہتی۔ آفتاب کو جب نکلتا ہوا دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں "نکلا ہے آفتاب بھی تھکے ہوئے جگر" مناظرِ قدرت پر ان کی شاعرانہ نگاہ پڑتی ہے تو کلام میں رنگینیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ غزل میں کہتے خیال کو ہمیشہ نظم کے سانچوں میں ڈھالتے ہیں]

کاوشِ حیات

جہاں میں عیش و انبساط غم کا ایک نام ہے	سکون کہتے ہیں جسے وہ دردِ نامتام ہے
خوشی کے لمحے یا دایکت خوشگوار خواب کی	سراب سی نظر فریبِ حقیقتیں شباب کی
نمک کو حُسن کی تلاش، دل کو عشق کی ہوس	کشاکشِ حیات میں یہی ہے زندگی کا رُس
ہے قیدِ قوتِ عملِ مسرتوں کے جالیں	اننگلیں کا کُناتِ دل کی غرقِ افعال میں
ڈھبھی ہوئی ہیں ہمتیں مٹے ہوئے ہیں ولولے	ہجومِ آرزو سے پست ہو گئے ہیں حوصلے
نہ کہہ فتاد کی دل صدائے دردِیں گئی	کہ حسرتِ دلِ حزیں نوائے دردِیں گئی

عمل کی بجلیاں نہاں ہیں جنبشِ حیات میں
ہے رنگِ مہرِ نیم روز تابشِ حیات میں

آبشار

بزمِ مستی میں مری زلیست سراپا سیما ب
قوتیں برق کی رگ رگ میں ہیں میری بیتنا
سازِ عشرت بھی ہوں اور غم کا ہو پردہ رنبا
دیکھنے والے پہ موقوف ہے میرا تپ تاب
اشک کی طرح رواں سلسلہ گوہر ہوں
اپنے سینہ میں دبا ہے ہوئے اک محشر ہوں

سوئے پستی جو بلندی سے گزر رہے میرا
ایک بجلی ہے کہ تیاں جگر ہے میرا
شفق صبح کی رنگینی میں گھر ہے میرا
نالہ دل بھی عجب زود اثر ہے میرا
چیر کر کوہ کے دل کو میں نکل آیا ہوں
کوئی فرہاد ہوں تجھ سے کجا جگر لایا ہوں

میرے افتادگی ہے باعثِ تڑپ میں جہاں
شورشوں میں ہے مری ایک ترنم پہناں
ہر ادا سے مری رنگینی فطرت ہے عیاں
جوش ہوں کوئی سراپا کہ ہو نطقِ یزداں
حق کی قدرت کا تماشا نظر آتا ہوں میں
ہے زبوں حال پہ آنکھوں میں تار ہوں میں

سراپا حیات

زندگانی آہ یہ مایوسیاں
ایک ڈل اور سیکڑوں مجبوریاں
عشق کی دنیا ہے اک رنگین خواب
اک طلسمِ آرزو حسن و شباب
ہے ہوس اک سحرِ ناپید اکسار
اور سرت گل پہ شبِ بنم کی بہار

لالہ گل موت کی تفسیر ہیں اور بہاریں خود خزاں تعمیر ہیں
 ذرہ ذرہ دہر کا ناپائیدار زندگانی کا نہیں کچھ اعتبار
 عالم حسرت میں جاں خاموش ہے بیکی سے زیست ہم آغوش ہے

ہاں مسرت دہر میں ناپید ہے
 زندگی موہوم سی اُمید ہے

طلوع آفتاب

منظر ہے صبح کا کہ قیامت کی ہے سحر یا انجم فلک کی جدائی کا ہے اثر
 نکلا ہے آفتاب بھی تنہا ہوئے جگر اور سُرخ شفق سے ہے رنگین ہر شجر

دینا ضیاء شرف سے چہرہ ہوئی

لیلائے شب کی بزم پریشان ہوئی

عشرت کد سے شرف کے نکلا ہے آفتاب اور دن میں جذب ہو گا حسن بابتاب
 فطرت اپنے چہرے سے الٹی سیہ نقاب اور سرخیاں شفق کی لگیں ہو بے نقاب

اب نام کو جہاں میں سیاہی نہیں ہی

ڈھونڈو تورات کی وہ تباہی نہیں ہی

مرغان خوشنوا کی نوا سنجیاں ہوئیں کلیاں چٹک کے پھول میں تبدیلی ہو گئیں
 تھے عنایب زار کی تربت پر گل کہیں شبنم کی بوندیں سیر پہ کچھ نئی دیکھ لیں

گو ہر سمجھ کے مہر نے اُن کو اٹھالیا

زنجیریں سے اُن کا فلک تنگ ٹھکانا

ہونے لگی تیز سفید و سیاہ میں محسوس فرق ہونے لگا کہ وہ کاہیں
لذت گناہ میں ہے نہ تاثیر آہ میں نقشہ جہا کا پھرنے لگا ہے نگاہ میں

باطل نے منہ چھپا لیا اور حق عیاں ہوا

دنیا پہ مہر نور شاہاں حکمراں ہوا

حُسنِ سناگر کی نشام

مائل بہ سکوں فضا ہے ساری فطرت پہ ہے بے خودی سٹیاری
دامن مغرب کا شعلہ رو ہے خورشید کا خون آرزو ہے
تالاب کا دور سے وہ منظر رنگیں سیلاب کا سمندر
بھیلی ہوئی نور کی روا ہے چشم گیتی فلک نما ہے
موجوں میں نہیں وہ اب تلاطم فطرت کے لبوں پہ ہے تبسم
آسودگی چھا گئی جہاں پر خاموشی ہے کتنی رُوح پرور

دن رات میں جذب ہو رہا ہے

اپنی ہستی کو کھو رہا ہے

کمالِ حیات

لغیب ہو اگر انساں کو جسم و عمر شجر مثالِ برگِ دیرینہ ہوقیام اگر
نواس کا نام نہیں ہے کمالِ ذاتِ بشر ہزار سال چٹیں بھی تو کب فنا سے مفر

حسین تر تو وہ گل ہے جو وقتِ صبح کھلے

دکھا کے شام تک اپنی بہار مر جائے

اگر چہ طبعی ہے گل کی آٹھ ہر یہ رنگ و بو نہیں دیکھے کسی میں ہم نے مگر
 نہ اُس کی عمری برگد سی اور نہ وہ بیکر مگر کہاں شجرِ نیچہ اور کہاں گل تر
 حقیر جن کو سمجھتے ہیں ہم حقیر نہیں
 کمال ذات میں اُن کا کوئی نظیر نہیں

موجِ دریا

اے کہ تو ہستی سے اپنی اس قدر بیزار ہے بحر کی وسعت میں پنہاں کونسا آزار ہے
 کشمکش میں اس طرح کی درد کا آزار ہے یا کوئی بھولا ہوا یاد آگیا اقرار ہے
 تو سراپا رنج و غم ہے میں سراپا درد ہو
 خوف سے کیوں موت کے میں اس طرح سے زندہ ہو
 وہ تری بیتابی دل وہ تری زلفوں کا خم وہ نلاطم خیرِ منظر اور وہ تیرا جوشِ دم
 شورِ شوں میں تیری پنہاں نوائے رنج و غم ماہِ تنک جاکر پہنچ آتے ہیں جس کے زیرِ دم
 وہ کندے سے غضب میں جا کے ٹکرا نا ترا
 نا امیدی پر بھی وہ دھارس کا بندھنا ترا
 سچ بتا سیماں سا کیوں مضطرب دل ترا کیا مری نظروں سے پنہاں اور ہر سائل ترا
 میرے سینے پر تڑپتا ہے دلِ سہل ترا کیا قیامت ہے کہ خود محتر بھی ہی قابل ترا
 دیکھ کر تجھ کو ہی کم ہوتی ہے بیتابی مری
 تیری لوری سے فرد ہوتی ہے بے خوابی مری

اضطراب اے موج لکھا ہے ترے مقوم کا
کچھ مزاحم کو چکھا دے عشقِ نامعلوم کا
حال ملتا جلتا ہے تجھ سے دلِ مغموم کا
راز پوشیدہ ہے کیا تجھ سے دلِ محروم کا

اے نگاہِ نکتہ میں تو یہ تماشا دیکھ لے
جلوہِ بیتابیِ دریا کا نقشہ دیکھ لے

لب خاموش

یوں تو دل میں ہے دریا نہا جیبات کا
غنجہ کو ہے انتظارِ آبدِ بادِ نسیم
موج بن کر ساحلِ لب تک نہ آیا مدعا
ہے وہ طوفانِ معافی میر ہند اڑیں
یا امیدِ جلوہ میں خاموش ہے رازِ کلیم
کچھ اسی طرح تڑپ کر آہِ نجاتا ہوں میں
جو جھلکتا ہے حسینوں کی جبینِ نازیں
آئینہ ہوں میں خوشی کا رنج کا مسکن بھی

میر جی جنبش میں بسم ہے کبھی شیون کبھی

نسیم - بنی الحسن بی - اے عثمانیہ

[آزادی احساس و عمل کے پرستار ہیں۔ خودداری کا درس خوبی سے دیتے ہیں اور ایک عالم کیف میں انسان کی کامیابی اور نجات کے خواب دیکھتے ہیں۔ مزدور اور غریب انسان کے ساتھ ہمدردی رکھتے ہیں وطن اور اپنے ماحول کی محبت انھیں بیتاب رکھتی ہے۔ اپنی تلخ فوانیوں میں زندگی کی ملامتوں کو بھی نہیں بھولتے۔ نظم سے زیادہ غزل پر مائل ہیں۔ ابتداءً ان کے تخیل اور مزاج میں بہت خوش عقاب پینختہ کا کچا رنگ چڑھ رہا ہے۔ قدیم تغزل کو پس کرتے ہیں بعض جگہ ان کے جذباتی نازکی اور خوبی زبانخی شاعری بہت جاگر کرتی ہے۔]

طلوع صبح

نسیم صبح چلتی ہے بہارِ دلکشائے
غضب کی دلفریبیاں ہے حُسنِ خود نمائے
ابھی ہے آسمان پر سکوتِ شب کی یادگار
دخنوں کی یہ ہنسیاں دفنِ شوق سے مست
جھینجھیں شوقِ سیرِ گل جھینجھیں ذوقِ رنگِ دلو
وہ اکِ حینِ جبین اٹھی ہے خوابِ ناز سے
سنہری رنگ کی کرن نے اور رنگِ دیدیا
گلوں کو خوف تھا بہت تپش کا آفتاب کی
سرور ہٹ رہا ہے کیا یہ کیف کا اثر ہے کپوں
فضائے کائنات ہے جمالِ جانفرا لائے
ہر ایک شکل سامنے ہے شانِ کبر لائے
ستارہ رہ گیا ہے ایک صورتِ فنا لائے
کبھی گلے ملیں بہم ہاتھ کبھی ملا لائے
نکل رہے ہیں باغ سے وہ پھول خوشنمائے
چلی ہے اب کنویں کی سمت سر پیک گھرا لائے
زمین پر جو ورے تھے وہ محل سب بنا لائے
اسی لئے اندھیرے منہ وہ اوس میں نہا لائے
کہاں چلی ہے میگردے کو دوش پر ہوا لائے

صبا خرامِ ناز سے چین میں کس طرح چلے
پڑے ہیں پھول ہر شوش میں اس کارِ سنہ لئے
زمین کا حسن دیکھ کر اسے بھی رشک آگیا
بہشت دیکھتی ہے شکل اپنی آئینہ لئے
سکوتِ شب نہیں رہا مگر سکون پھر بھی ہے
طیور اڑتے پھرتے ہیں صغیر و لرزبا لئے

مادِ مہند

روکشِ چرخ ہی گوشہٴ حُسنِ بے ہی
چشمِ اغیار میں آئینہٴ حیرت ہے یہی
مہرباں اس پہ ہے وہ قبلہٴ حاجات
اُس نے پھیلائے ہیں قدرتِ عظیمِ بہت
زر لٹانے کو کلی گُل کی نعلتی ہے یہاں
ہے میٹھنور زمیں سونا اگلتی ہے یہاں
خوش فرشتے بھی ہیں ذروں کا تماشا کر کے
پھینک دیتے ہیں یہاں چاند کو چور کر کے
ظاہری آنکھوں میں پنہاں ہیں بلا کے جلو
پتھروں میں نظر آتے ہیں خدا کے جلو
ساز کا لطف ہر سانس میں سنتے ہیں با
دل کے پیاموں میں ملتی ہے حقیقت کی شرا
نہ شرافت کی کمی اور نہ دولت کی کمی
بادلِ اِدبار کے ہیں اُن کے سرورِ چچا
ہے فائق بھی ہیں بیماری بھی
گرتے جاتے ہیں سنبھلنے کی کوئی آس نہیں
ہے سو توں میں گزراں کی محبت کی کمی
مرنا آئے نہ اُنھیں اور نہ جینا آئے
اور امراض بھی ہیں عقل کی بیماری بھی
گوسفر دور کا درپیش کچھ پاس نہیں

ایک ہنگامہ پہ موقوف نہ بیکار کریں
اب ضرورت ہے کہ ہر کام میں ایثار کریں

طرزِ عمل

یہ سچید گیوں میں پرنے سے بچ توت کو بیکار نہ کر
گھبریں جو حوادثِ عالم کے اک شان کھا خود اکی
جس بتا کا پورا ہونہ یقین خاموشی اُس میں بہتر ہے
محدود سمجھنا اپنے کو بے عقلی ہے نادانی ہے
اس منزل ہستی میں اپنی کانٹے نہ سمجھنا ناجا غافل
یہ تیزی کشی شمر رواں خود ساحل سے لگ جائیگی
اس نیش زنی کے کیا معنی یہ چھیرا نہیں اچھی تری

جو کام بھی اپنے ہاتھ میں آسان بنا دشوار نہ کر
احسان بڑھاتا رہ اپنا اس جو ہر کو بیکار نہ کر
جو بات سمجھ میں آجائے پھر اُسے تو انکار نہ کر
تو دل کو عمل سے پہلے ہی مجبور نہ کرنا چار نہ کر
جس راہ سے چلنا ہے تجھ کو اُس کو نامہ وار نہ کر
تو بھر فتنائیں بہتا جا اور فکر کوئی زہنہار نہ کر
جو فتنے بہاں میں سوتے ہیں سکو دے انھیں سدا رہ نہ کر

اوروں کے دلوں کو دکھ پہنچے جس بات کے کہدینے سے شرم
تو اثر کاروں کو دل میں رکھ بھولے سے چلی گھبرانہ کر

تمثیلی

پھر اپنے پر بھی یاد آئے نقش میں پھر اڑنے لگی
نہی سی تیری جان ہے اور رنگ ہے کیا خوشنما
تیرے پروں کے نقش ہیں یا کھل گئے ہیں یا مہن
یہ نقش ہیں ساجے گئے توں قریح کو توڑ کے
یاد بخیرِ جنت کے طے گل بوٹے تجھ کو اے حسین
ان کو تریا تم کہو یا جامِ صہیا سے بھرے

ساری بہاریں دوش پر رکھے ہے چھو کو کی پری
چھوٹا سا اک طاؤس ہے گویا ہوا میں ناچتا
یا اب معلق ہو گئے دو قطعہ صحنِ چین
یا دو ورق گو دے گئے اک نازین کے ہاتھ سے
یا اک دختِ سبز سے دو پتیاں ملکر اڑیں
یہ نقش ہیں داغِ جگر وہ بھی شمیمِ زار کے

مردور

تیری مہمنوں ہے دنیا کی یہ ہل چل ساری
تیرے قربان کہ جب ماٹل تذبذب ہوا
تجھ کو دیتے ہیں دعا مسلم و کافر دونوں
تجھ سے معمور ہیں تہذیب کے سب گہوارے
اپنی فطرت میں نکبر ہے یہ مجبور ہی ہے
تو نے فطرت کے ذخیروں پہ کیا ہے قبضہ
جوش ایشار کے راہوں میں دکھایا تو نے
موت سے خوف نہ اندیشہ ہے بربادی کا
اس غریبی پہ بھی تیرا ہے اثر لوگوں پر

تیرا احساں ہے کہ نہریں ہیں عمل کی جاری
خانہ کعبہ ترے ہاتھ سے تعمیر ہوا
تیرے مہمنوں رہے مسجد و مندر دونوں
تیری کاوش کا نتیجہ ہیں تمدن سارے
ورنہ جو کرتے ہیں انسان اور مردور ہی ہے
تیرے ہاتھوں سے نوبلی کا اثر ہے پیدا
اپنے مقصد کیلئے خون بہایا تو نے
اللہ اللہ یہ احسان ہے آزادی کا
آج بھی تیری حکومت ہے کئی ملکوں پر

کلج چھوٹے پر

آتا ہے نیا دور کہن چھوٹ رہا ہے
اجپا ہی ہیزم وہی اور وہی جوش
اٹھ رہے ہوئے آنسو ہیں اک تار لگا ہے
آئینہ سکندر سے جدا ہو تو غصہ ہے
وارفتہ ہر گل سے چمن چھوٹ رہا ہے
لیکن ہے مخمخ جگر انکار فراموش
دل ہے کہ ستاروں کی طرح ڈوب رہا ہے
قطرہ جو سمندر سے جدا ہو تو غصہ ہے
بھینک لی گئی اک موج سمندر کی تپا
معلوم ہوا پاؤں میں لپٹ گئی زنجیر
وہ جوش ہنگامہ نہ آزادی تقریر

حاصل ہیں مری عمر کے لمحات وہ سارے
یہ سوچتا ہوں جب پریشاں نہیں رہتا
ہنس کھیل کے صحبت میں جو یاروں کی گزار
اک حال یہ قائم کبھی انسان نہیں رہتا
مکمل ہے کہ توفیق کبھی جس کو خدا کے
آئینہ اخلاص میں کچھ اور جلاو کے
قطرے بھی تو دریا کا کریم دیکھ رہے ہیں
فرے بھی تو اک خوابِ عدم دیکھ رہے ہیں
بن جائیگا اکسیر یہ پروانہ بھی جل کے
کالج کے میں کام آؤنگا کالج سے نکل کے

غزلیں

دیکھوں انھیں تو طاقتِ صبر قرار دے
بے اختیار کر کے خدا اختیار دے
بے تاب یوں کے دم سے ہر طعنے زندگی
پروردگار سب کو دل بے قرار دے
میں ان کے دل میں ال دوختور اساد عشق
اللہ ایک دن جو مجھے اختیار دے
ساقی ترے شہزادے جام کے شہزاد
اک بار جو دیا ہے وہی بار بار دے
یار ب بیانِ حال سے کچھ فائدہ نہیں
مجھ کو زبان دے تو انھیں اعتبار دے
دنیاۓ غم کے ساتھ وجودِ شمیم ہو
جو ساری زندگی کو ہنسی میں گزار دے

۲

ان کے آگے ہیں میرے ہاتھ و راز
ان کے قدموں پہ ہے جبینِ نیاز
جن کو کہتے ہیں سب غریب نواز
ختم ہوتی ہے عمر بھر کی نیاز
سب سمجھتے ہیں لامکاں اس کو
تھی یہیں تک خیال کی پرواز

دوسروں کے لئے ترتیب ہے دل نے سیکھے ہیں کچھ عجب انداز
عرش سے اس طرف نہیں رکتی دل سے نکلی ہوئی کوئی آواز
آہ کو بھی تخی اک فضا میں ضرور
نہ سنی پھر تمہیم کی آواز .

۳

جو تم خوش ہو تو دنیا مہرِ باں معلوم ہوتی تمہاری اک نظر سارِ جہاں معلوم ہوتی ہے
ابھی آغازِ الفت ہے مصفا کی نہیں عادت بلائے آسماں بھی آسماں معلوم ہوتی ہے
جھکی ہیں انکی آنکھیں و رخِ موش بیٹھا ہوں نگاہِ یار بھی میری زبان معلوم ہوتی ہے
تتمیم اب سر نہیں اٹھتا درِ دلدار سے اپنا
جبینِ کشتِ سنگِ آستان معلوم ہوتی ہے

۴

آپ کب تک مسکراتے جائینگے کیوں مرزِ خموں کے منہ کھلوائینگے
زندگی کے ساتھ دنیا ختم ہے یہ معمے آج حل ہو جائینگے
میری آنکھیں روکے کرتی ہیں صید نامہ بر کے ساتھ ہم بھی جائینگے
حشر میں ستے ہیں لٹینگے نقاب
یعنی سب جنت کے در کھلوائینگے

۵

پرِ واہ ہے کچھ اہلِ چمن کو نہ صبا کو میں کیا کروں صبا دِ زمانے کی ہوا کو
ہشیارِ توبہ ماتھے اٹھاتا ہوں عاکو کچھ دن کے لئے بھول گیا تھا میں کو

گلزار میں یہ جا کے لگا دیگی گلوں سے
اڑتی ہوئی ملجائے کوئی بات صبا کو
جاں دینا تو اک فرض ہے الزام نہیں
بدنام کریں آپ نہ ارباب وفا کو
کرتے ہیں ستم جس پہ عنایت ہو اوستی
میں جان گیا آپ کے اندازِ جفا کو
لاشع یہ شمیمِ جگر افکار کے بولے
ہم بھول گئے آج ترے جرمِ خطا کو

۶

میکشتی کے قبل ہی میں ششوں سے بگناہ تھا
یاد ہے ساقی کے ہاتھوں میں کوئی پیما نہ تھا
میں نے قدموں پر جو سر رکھا تو کیوں گھبرا گئے
یہ مری وارفتگی شوق تھی، سودا نہ تھا
جل کے خاکستر ہوا سوزِ جمالِ حسن سے
دقتر ہستی بھی گویا اک پر پروانہ تھا
بیخودی کے اک دہند لکے میں نظر آیا کوئی
یہ یقین ہے کہ نہیں سکتا کوئی تھکایا نہ تھا
دیکھتے ہی دیکھتے اس نے الٹ دی کائنات
ساقیا کیا گردشِ دوراں ترا پیما نہ تھا

ان کے کوچے میں کبھی پھیرنا کبھی سر جھوڑنا

وہ بھی کیا دن تھے شمیمِ زار جب یوانہ تھا

بنا وہ یاس جو توڑا دلِ حریف میں
مکانِ مٹا کے بھی پیدا کیا مکس میں
کبھی غمشوں سے جو فرصت ہوئی جنوں
منتھارے راز کو رہنے دیا وہیں میں
وہ بے نیاز تھا مجھ کو بھی بے نیاز کیا
کسی کے در پہ نہ رکھی کبھی جبین میں
ہنسی ہنسی میں باں تیغ کی یہ کھل چکا
وہاں زخم یہ رکھ دی ہے آستیں میں
بر بھی جو سوزِ دل میں آئیاں بکھو
کہ تم نے آگ لگائی کہیں کہیں میں
شمیمِ درِ محبت کا کیا علاج کرو
خدا پہ چھوڑ دیا ہے دلِ حریف میں

شکر مہین لال - بی اے عثمانیہ

[اردو شاعری کی طرف ہندی تخیل کے ساتھ مائل ہیں اور قدیم طرز کے جذبات کو جدید سانچوں میں ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ زندگی کی طرف ان کا میلان کسی قدر سردی ہے۔ لیکن محبت کے راگ کو جو ہندی شاعری کی جان ہے حیات کا محرک بنا نا چاہتے ہیں۔ یہ ان کی کامیابی ہے۔ زبان صفا ستھری استعمال کرتے ہیں اور خیالات میں بھی زیادہ الجھاؤ نہیں ہوتا]

مزدور دوشیزہ

آئی اک مزدور لڑکی آج میرے بلغم میں
حُسن کی تقسیم کا بھی کچھ عجیب معیار ہے
ایک کلبے حُسن گر آرائشِ قصہ شبی
الغرض تخصیص اسکی قوم و ملت پر نہیں
ہاں تو اس مزدور دوشیزہ کی صورت دیکھ کر
اسکی طفلی ہو چکی تھی اب ہم آغوشِ شباب
اسکے اعضاء کا تناسب اسکا حُسنِ لہریں
چھپ سکا لبوس کہنہ میں جس نے بیشمال
ہاتھ میں رنگِ خناتھا اور نہ رخ پر غاذہ تھا
تھیں غلط اندازِ نظریں ہر طرف پڑتی ہوئی
زخم ڈالے اور بھی جس نے دل پر دغ میں
دیکھئے قدرت بھی کیسی غیر جانبدار ہے
دوسرے کے دم کی زینت جھوٹے ہو گئی
آپ ہر طبقہ میں پائی گئے حین و مہ جہیں
کہہ نہیں سکتا ہوا دل پر مرے کنت اثر
یعنی وہ سن تھا کہا جاتا ہے جس کو لا جواب
رہزنِ ایمان و دیں غارت گر صبرِ شکیب
آج دیکھا میں نے پہلی مرتبہ گدڑی میں لال
انتہائے سادگی میں حُسن بے اندازہ تھا
اور دل میں دیکھنے والوں کے گھر کرتی ہوئی

ہو رہے تھے پاؤں بے قابو حُرّس سے
ہر قدم سے حشر کا انداز دکھلاتی ہوئی
ٹوکری کے ساتھ ہی خود بھی زمیں پر گر پڑی
اسکے چہرہ پر بکر قطعاً نہ تھا کچھ بھی ہر اس
اور گر جانے پر اپنے کھلے لاکر منہس پڑی
ایک لمحہ تک رہی اسنادہ بے خوف و خطر
مسکراہٹ ان لبوں پر آئی اور شہرِ مانگی
اپنے قدموں سے دل بیتاب کو ملتی ہوئی
سحر ہو رفتار میں گفتار میں اعجاز ہو
جسکے قدموں پر تصدق ہو شہنشاہِ ہوئے تاج
نکبتِ افلاس سے ہو زندگانی اس پہ بار
پیٹ کی خاطر اُسے کو ناپڑے کر معاش

مشغلے ارماں یہ شایانِ بت کس نہیں
ٹوکری سر پر لئے پھرنے کے اسکے دن نہیں

بہار

زمین خود ہو گئی ہے آسمانی گل فشانی سے
کہ گلچیں بول اٹھیں باز آ یا باغبانی سے
کہ بوئے گل ہے بڑھ چڑھ کر شرابِ رغوانی سے

پیرِ آیاموسمِ گل عاشقوں کی قدر دانی
نچھاور کر رہے ہیں اس قدر گل بسز و شکاری
بہار آتے ہی گلشن میں عجب مستی سی چھانی ہے

ہوا ہے سُرخ غصہ سے اگر لالہ جنبیلی پر تو زکس دیکھی چمپا کو ہے کس دلتانی سے
یہ ہے موسم کی حالت اور پھر ایسا اپنا نہ کیوں ارمان بھولوں تنہائے شادمانی سے

ایک نندی عورت عالم خیال میں

میرے پر تیم آؤ آؤ بنکے جوانی مجھ پر چھاؤ
آؤ مست فضا میں لے کر بھولی بھالی ادائیں لے کر

آؤ آؤ میرے پر تیم رات کو چھپ کر کاؤں میں آؤ تاروں کی ٹھنڈی آؤں میں
آؤ بھبھکی بھبھکی فضا میں کالی کالی مست گھٹائیں

آؤ آؤ میرے پر تیم دھندلے دھندلے سین میں آؤ میرے مست احساس پر چھاؤ
آؤ لب پر تبسم لیکر ارمانوں کا نلا طہم لیکر

آؤ آؤ میرے بھولے پر تیم پھولوں کی گھمبیر گھٹائیں برکھارت کی مست ہوا میں
نینوں کے رس تم کو پلاؤں پریم کے نغمے کا کے سناؤں
آؤ آؤ اول والے پر تیم

بن میں پیہا کو نج رہا ہے پتہ پتہ مست ہوا ہے
آؤ لوٹیں ہم بھی بہاریں جھولا جھولیں گائیں ملا میں

کالی آنکھوں والے پریم
آؤ بھولے بھالے پریم

عالم فراق

آج نہیں وہ لطفِ صحبت
جوشِ شبابِ غوشِ راحت
راز و نیاز و پیار و محبت
عنوہ و غمرہ و ناز و نزاکت

دل کی دنیا روح کی جنت

سانولی صورت بھولی موت
حسنِ کیا حُسنِ حقیقت
طورِ پیشِ برقِ وحدت
شمس و قمر میں جلوہ کثرت

آئینے میں نورِ وحدت

آنکھیں گویا گنگا جمن
پیت کے پیاسے من کا مرن
سر پہ بدلی ہاتھ میں مینا
لب پہ سنہری بجلی کا چمکتا

میرے جوشِ دل کا بیٹھنا

عارضِ گلگوں ابھرے جو بن
بانگی ادائیں تر چھی جیتوں
ماتھے پہ بندیا ہاتھ میں کنگن
پایل پاؤں میں شجے بھن بھن

جھولا جھولے گا ناساؤں

میکھ راج کی بھگی برکھا
اندر کانت اک راگ نوکھا
گھاس پوس کی ٹوٹی کٹیا
دامنِ کوہِ وسِ حلِ دریا

اپنا انوکھا پریم سیرا

دیکھو کیا ہے حسن کی مایا
اک ہی نظر میں ہوش اڑایا
اس نے سارے جگ کو چھیندیا
ہنتے ہنتے مجھ کو رُ لایا

دل کو میرے خاک بنایا

غزلیں

اب کہا وہ لطفِ عیشِ سردی تیرے بغیر
اک عذابِ قتل ہے زندگی تیرے بغیر
کالے کوسوں دوری مجھے خوشی تیرے بغیر
ہر فنِ نوحہ خوانِ زندگی تیرے بغیر
صحیح گلشنِ ہولِ دریا ہو یا میخانہ ہو
سمجھ نہیں سکتی کہیں ل کی لگی تیرے بغیر
وہ تو یہ کہنے کہ تنہا کورم مجھ پر آگیا
ورنہ برگشتہ تھی میری زندگی تیرے بغیر
یہ تو میں بھی جانتا ہوں ضبط کرنا چاہیے
اور اگر بڑھ جائے دل کی تنگی تیرے بغیر
لکھ نہیں سکتا میں عنوانِ جوانی پر غزل
شاعرِ جادوِ بیاں میں یہ کمی تیرے بغیر
تیرے ہاتھوں میں نظامِ انبساطِ گلستاں
کن بکھی گل کے ہونٹوں پر ہنسی تیرے بغیر
یوں تو ارماں شاعر شیریں پاں پر رحم کر
آج کل چھپکا ہے رنگِ شاعری تیرے بغیر

۲

جاویدیت کچھ تو ہے آخر گدازِ شمع میں
خود فنا ہو جاتا ہے پروانہ پروانے کے بعد
ان کی محفل میں کسی نے میری چھیر ہی اُتاتاں
غیر بھی منتارہا افسانہ افسانے کے بعد
واں سے آتی ہے خیر مجھ کو وجودِ یار کی
جس جگہ کچھ بھی نہیں معلوم ہو جانے کے بعد
کون کہتا ہے مری حالت میں تبدیلی ہوئی
تھی وہی جانے سے پہلے ہے وہی آنے کے بعد
جب ہوا سیدلِ نوپردہ غیریت کا اٹھ گیا
سوز میں بھی سا آ جاتا ہے ل جانے کے بعد
یوں تو سب ہی آتے جاتے ہیں سُر و دہریں
ہے وہی اک مردِ جو جی جا کر جانے کے بعد
یہ جہاں ارماں کبھی منزلِ کعبہ شریعت نہیں
یہ کھلا ہے رازِ ہم پر چھو کر یہ کھانے کے بعد

۳

دل ہے خیال یار میں آنکھیں میں ہنکڑیاں
میکدہ آج کھل گیا گل کدہ بہار میں
خزمن دل کی آگ پر عشق کی اوس پر لگئی
اب تو خدا کے واسطے جلوہ مجھے دکھائیے
یا دجال ہم نشین تازہ ہوئی ہے خود بخود
لطفِ حیات ہے یہی کیفِ حیات ہے یہی
رتکب چمن کو دیکھ کر جان میں جان آگئی

ایک عجیب لطف ہے عالمِ انتظار میں
شیخِ حبی کچھ تو پیچھے موسمِ خوشگوار میں
خاک ہوئی ہیں حسرتیں آتشِ اضطراب میں
جان بھی لب پہ لگئی آپ کے انتظار میں
ضبط کروں تو کس طرح دل نہیں اختیار میں
بیٹھے رہیں اسی طرح عالمِ انتظار میں
غنجے کھلے تو کھل گئی دل کی کلی ہمایں

رند کی جس کو حرص ہو شیخ کی جس پہ لکھ ہو
لائیے وہ شرابِ ناب ساغزِ رنگار میں

۴

چاک امن کوئی بسمل کوئی حیراں آیا
وہ محبت کی کرہی منزلِ شوار گزار
یوں تو سینہ میں کئی تیر چھپا تھے مگر
یہ تجاہل بھی عجب ہے کہ وہی پوچھتے ہیں
جب جنوں میں مجھے اپنا نہ پرا یا سوچھا
پوچھنا تھا خیر یا رہ پوچھوں کس سے
وہ یہ کہتا کہ کہاں درد چھپا رکھا ہے
نہیں آتی ہی نہیں پہلے تو ارماں کو

بزم میں تیری جو آیا وہ پریشان آیا
تینج کے گھاٹ اتر کر ہوں ہی جا آیا
ناوکِ ناز مرے دل پہ نمایاں آیا
دل کو تھا مہ ہوئے یہ کونسا ہوا آیا
چھوڑ کر کوہ و چمن سوئے یہاں آیا
بے خبر آیا کوئی ششدر و حیراں آیا
میں یہ کہتا کہ ہمارا کوئی پُرساں آیا
چونک اٹھا خواب میں خواب پریشان آیا

اپنی ہستی سے بحرِ رنج کے ملنا کیا ہے
 خود کو گم کر کے ذرا دیکھ کہ تو کیا کیا ہے
 یاس و امید کی رہتی ہے کشاکشِ مہم
 مدتِ العمر کا رونا ہے یہ جینا کیا ہے
 عشقِ صادق ہو تو پھر اپنی خبر خود کو کہا
 چشمِ مجنوں میں بحرِ صورتِ لیلیٰ کیا ہے
 محو رہتا ہے خیالِ رُخِ محبوب میں دل
 بس یہی جانِ تمنا ہے تمنا کیا ہے
 پھوڑ کر مستیِ موہوم کی خود داری کو
 آنکھ سے دیکھ لے تخلیق کا نشا کیا ہے
 جو مقدر میں لکھا ہے وہ ملیگا بیشک
 ہاتھ بھیلانے کسی اور سے کہا کیا ہے
 دلی و سجادہ وسیعِ رُخ ہیں مگر
 خدمتِ خلق سے بتلاؤ کہ اچھا کیا ہے

ایک مدت سے خدمت کا یہ ارمانِ عامل
 خادمِ قوم ہے تم نے اُسے سمجھا کیا ہے

عزیز - عزیز احمد - بی۔ اے (آئرلینڈ)

[نام کی طرح ان کا کلام بھی بعض وقت عزیز بن جاتا ہے۔ دوران طالب علمی میں آرٹ کی بیدار نظری کے ساتھ حسن و عشق کے موضوع پر چند اچھی نظمیں لکھی تھیں، اسکے بعد یورپ چلے گئے جہاں مطالعہ قدرت اور زیادہ تر مطالعہ کتب سے ان کے ذوق میں تازگی اور روشنی پیدا ہوئی۔ ”عمر خیام“ ان کا وہ آپرا ہے جو اردو زبان میں خاص ہے۔ خیالات میں لطیف و نزاکت ہے، عام راستے سے ہٹ کر اونچا سوچتے اور سوچ کر لکھتے ہیں۔ ان کی سرستی شعر کیلئے اپنے سانچے اور زبان بناتی الفاظ کے ترنم سے زیادہ یہ ندرت خیال کے ولادہ ہیں۔ ”ڈراما اور نظم کو ملانے میں ان کی کوشش ایک خاص راستہ پیدا کر رہی ہیں۔]

عمر خیام

ایک لی ریکل ڈراما

پہلا منظر

مدرسہ

وقت کہ جام جہاں آریند در چشم سحاب چشمہا بکشاہند
موسیٰ دستان ز شاخ کف بنمایند میاں نفساں خاک بیرو آہند

مدرسے کے سامنے سبز قطعہ زمین۔ حسن بن صلیح، عمر خیام اور وہ طالب علم جس کو نظام الملک کا خطا ملنے والا ہے
”آواز فطرت“ کی آمد

آواز فطرت

ایک گراؤنڈ سے

وہ چیز جس کو طمسِ حیات کہتے ہیں جسے حجابِ رُخ کائنات کہتے ہیں

وہ شب کہ جس کو زمانے نے روز گردانا وہ دن کہ جس کو زمانے میں ات کہتے ہیں
کسی پچھلے نہ سکا اس کاراز دنیا میں وہ شے جسے صفت بے صفا کہتے ہیں

شکست کھا کے ہوئی عقل سرنگوں آخر
طلسم ساز کا چیل ہی گلیب منو آ خر

آوازِ فطرت

نظام الملک سے خطاب ہو کر
بتا تو ہی تجھے اک دن نظام الملک ہونا ہے تجھے کشت جہاں میں تخم انصاف کے یونا ہے
بتا تو ہی کہ اس ہستی کا آخر مدعا کیا ہے سنا اس زندگانی جہاں کا ماجر کیا ہے
نظام الملک
زندگانی اک فضائے لامکاں کا نام ہے عکسِ دئے صانع کون مکان کا نام ہے
زندگی وہ خواب ہے تعبیر جس کی فنا ہستی انسانِ طلسم بے نشان کا نام ہے
پچھ بھی یہ ہستی حیاتِ جاوداں کا عکس ہے زندگی انسانیت کے امتحاں کا نام ہے
زندگی کی شمع روشن ہے ازل کے نور سے خاکِ انسان سجدہ گاہِ قدسیاں کا نام ہے

آوازِ فطرت

حسن بن صباح سے

حسن ابن صباح اب تو بتا کہ انجام اس زندگی کا ہے کیا
عزراہیل سے تو نے سیکھا ہو کیا کہ اس زندگی کا ہے کیا مدعا

حسن بن صباح

زندگی اک شورشِ آتشِ فشاں کا نام ہے ذرہ ہائے مضطر کے اک جہاں کا نام ہے
زندگی اک برق ہے خرمنِ جلائے کے لئے زندگی کی موجِ خارا شیاں کا نام ہے
وہ میں شورش نہ ہو تو زندگی بے لطف ہے زندگانی تیشہ و سنگِ گراں کا نام ہے
ہے ازل سے عالمِ فانی پہ الہیسی اثر خاکِ انسانِ مشتِ خاکِ اٹھان کا نام ہے

بزدلی کا نام اُس دنیا نے نیکی رکھ دیا رازِ عصیاں، زندگی کی داستان کا نام ہے
 آوازِ فطرت

اے عمرِ خیام ہے تیری جیس پر کیوں شکن کس لئے خاموش ہے تو؟ کس لئے رنجِ محن
 زندگی کے رازِ پنہاں کی بھی کچھ تفسیر کر تجھ کو ہونا ہے جہاں میں شاہِ اقلیم سخن

عمرِ خیام

زندگی خوابِ پریشان جہاں کا نام ہے حاصلِ ہستی و بالِ جانِ تاں کا نام ہے
 ہر قدم پر جس کو اک طوفان کا اندیشہ رہے زندگی اُس کشتی بے بادِ بال کا نام ہے
 جو خزاں کے خوف سے ہر لحظہ پر مژدہ رہے زندگی اُس سرسبز بستان کا نام ہے
 جس کے آنے کا پتہ ہے اور نہ منزل کا نشان زندگی اُس کاروانِ خستہ جاں کا نام ہے
 جس کی نہ تک عقل و ہوش و نہ ہنسیں گے کبھی زندگانی اُس طلسمِ جاوداں کا نام ہے

آوازِ فطرت

تعبیرِ خوابِ زیستِ تو یوں کر چکے مگر
 تھا تین طاقتوں کا جب راجا بجا اثر
 تم کو ملی حیات، تو آغوشِ زہد میں
 اہلیت میں آئی تمہیں زندگی نظر
 تم کو ملی حیات، شکستِ حیات میں
 ٹوٹا جو جامِ مستی مے نے کیا اثر
 لیکن یہ دیکھنا ہے کہ یہ تین قوتیں
 بنتی ہیں دو زیست میں کس طرح راہِ بر

ہو گا جہاں نطامست طوسی سے متفید
 صبا ح کے اصول سے پھیلے کاشور و شر
 خیام پی کے بادہ کرے گا جہاں کو مست
 اور درود دل سے چشم جہاں ہو گی خوں سے تر
 ان تین طاقتوں میں ہے کی وہ کشش کش
 جس سے رُخ زمانہ یہ ہووے گا اک اثر
 [آوازِ فطرت کے جانکے بعد]

حسنِ صبا ح

جہاں نسکین پاتا ہے فریب نور الیاس سے
 گلستانِ جہاں پیکارِ خار و گل کا میدان ہے
 مگر میں درسِ ہستی لے رہا ہوں شورِ عصبیاں
 کروں گا دامنِ گل چاک میں خارِ گلستاں سے
 سکونِ عیشِ سمجھا دہر نے یہ جانِ ہستی کو
 جگایں دوں گا طوفاں بیکے اس خوابِ پریشاں سے
 جسے اہلیت کہتی ہے دنیا اک کرشمہ ہے
 لیا ظلمت میں درسِ زیست جس نے نورِ زواں سے

نظام الملک

ہے عمرِ دور و زہ میں دعائیں یہ خدا سے
 منقصد ہو امرِ اخلاص دیں فقر و غنا سے
 ہر مجھ کو غرض گر تو ہو خالق کی دعا سے
 منقصد ہو مری زیست کا ہمدردیِ انساں

عمر خیام

نکل کر اس جہانِ رنگِ بو سے جاوداں ہو جا
 یہاں ہنگامہ پرور خاکِ باد و آبِ آتش یہاں
 ابھر کر خاک کی بستی سے محو لامکاں ہو جا
 تو ان سب گذر کر نورِ زواں میں نہاں ہو جا
 جمالِ رازِ ہستی کا جہاں میں ترحباں ہو جا
 فریبِ عکس میں الجھا ہوا ہے عالمِ فانی

دوسرا منظر

———— دربار ————

آں بہ کہ دریں زمانہ کم گیری دوست با اہل زمانہ صحبت از دور نکوست
آں کس کہ بے جملگی تڑا تکیہ براوست چون چشم خود باز کنی دشمنت اوست

[اپیارسلاں کا دربار] [قصہ و سرود]

ایک درباری

———— (اپیارسلاں کی تعریف میں) ————

دنیا جو آج خرم و سرخندہ کام ہے ہر سو جہاں میں شادی و بہت کا نام ہے
باقی رہے جہاں میں الپ ارسلان کا دور جس میں نظام ملک کایاں انتظام ہے
الطاف و فضل سے عالم ہے مستفید تحصیل علم و فن کا غضب اہتمام ہے
ہے دشمنوں کے سر کے لئے تیغ بے پناہ اور دوستوں کو فضل و عنایت سے کام ہے
سیلاب کامیابی و بفرست کے سامنے اعدائے بد نہاد کا قصہ تمام ہے
ہیں دل سے محو قیصر و کسری کی عظمتیں سلجوقیوں کے دور کا وہ اہتمام ہے

اپیارسلاں

———— نظام الملک ————

نظام الملک تیرے فیض پر دنیا کی ہستی ہے کرے خورشید کو جو ماند اختر ہو تو ایسا ہو
ہے خوں ہو کے جو نہر در و دل کی دیا سنکر جہاں میں کہ کوئی دید کے تر ہو تو ایسا ہو

[حسن بصریہ آتا ہے]

حسن بصریہ

دور ہستی میں شہید جلوہ باطل ہوں میں زندگی کا اک نشان سہمی بے حاصل ہوں میں
شعلہ باطل جہمی اس دنیا کی ظلمت میں بجھا وہ میں دو و چراغِ شہتہ محفل ہوں میں
توت شہر بھی مصاف زلیت میں ناکام ہے ہو کے خوں جو بہ چکا ہوا اب دل ہوں میں

نظام الملک

سفارشا

بزمِ ہستی سے پیشِ مانی عصیا لیکر
ایک دل خستہ چلا دیدہ حیراں لیکر
ہے تر فضل و کرم سے مجھے لکیراں
یاں سے جائیگا نہ وہ قلب پریشاں لیکر
کوئی آفت زدہ آیا در دولت پہ تر
جب گیا یاں کیا بخت درخشاں لیکر

الپارلان

بس نظام الملک کی خاطر ہیں منظور ہے
سلطنت کی شمع روشن اُس کے دل کا نور ہے
آج سے رکنِ حکومت ہم بناتے ہیں تجھے
سرپرستی ہم کو تیری ہر گھڑی منظور ہے
[نظام الملک جاتا ہے]
[موسیقی]

حسن بن صباح

یوں تو آسان زندگی ہے اک دل مجھ کو کے ساتھ
لطفِ تیرے جب بسر ہوشا ہنگاموں کے ساتھ
یوں نظام الملک کے زہدِ ریا آمیز نے
سازِ عشرت کر دیا برباد اک افسوں کے ساتھ
جس طرح آئے خزاں صحنِ چین کو لوٹ کے
اور رخصت ہو جو اناں چین کے خون کے ساتھ

الپارلان

ملاوت غصے سے

گینا مروت کا یہی انجام ہے؟
دوستی کیا بس اسی کا نام ہے؟
تیزی ہر جنبش میں پنہاں کیے ب
رہزنِ المیاں ترا ہر گام ہے
[نظام الملک آتا ہے]

حسن صباح

دربار سے جاتے ہوئے

تمھارے سازِ عنترت کو پریشاں کر کے چھوڑو گے
اجازتِ باغبان، کلچینیوں کی گرنہیں دیتا
تمھارے خوش زخمِ دل کا درماں کر کے چھوڑو گے
یہی ٹھہری جو شرطِ زندگی سیلابِ ہستی میں
تو اس گلشن کو ہرنگِ بیاباں کر کے چھوڑو گے
گنہ کی بجلیوں کی خوفناکی سے مدد لوں گا
تو ہر قطرے میں پیدا زورِ طوفان کے چھوڑو گے
ترازِ منن نارِ برقِ تاباں کر کے چھوڑو گے

[جانا ہے]
[عمر خیام آتا ہے]

نظام الملک

حضور شاہِ میاں کا کل فن آج آیا ہے
عمر خیام جس کے فیض سے دنیا منور ہے
چمن سے رازِ وارِ سرگلشن آج آیا ہے
چمن زارِ جہاں سے گلِ بد امن آج آیا ہے

سپہِ ارسلان

اے عمر خیام اے ملکِ سخن کے شہرِ یار
ہاں بتا دے گر تجھے جاہِ حشمِ درکار ہو
خوش نصیبی سے ہو اس شہر میں تیرا گزر
تیرے قدموں پر زمانے بھر کی دولت ہونٹا

عمر خیام

گر شاہِ گردوں کی ادا اور ہی کچھ ہے
ہے علم کی خدمت سے غرض مجھ کو جہاں میں
پر قلبِ مصفا کی ضیا اور ہی کچھ ہے
آہنگِ طریقے ہیں دنیا میں غرض کیا
مانا کہ زمانے کی ہوا اور ہی کچھ ہے
سرشار ہے دنیا مئے لکلوں کی ضیا
زخمِ دل محروں کی دوا اور ہی کچھ ہے
پر تشنگی آبِ بقا اور ہی کچھ ہے

[پروہ]

منظر و منظر

حسن صباح کے فدائیوں کے ہاتھ نظام الملک کا قتل

تیسرا منظر

— شاہراہ —

ہر جا کہ گلے دلا لہ زارے بودست از سرخیِ خونِ شہر یارے بودست
ہر شاخِ بنفشہ کو زمیں می روید خالے ست کہ بر رخِ نگار بودست

[شاہراہ] [نظام الملک کے ماتم میں راہ گیسروں کا ماتمی لباس]

[غریب آتا ہے]

ہنگامہ کیوں پیاتے کہ ماتم کناں ہیں؟ عمر خیام کیا ہو رہا ہے شہر میں کیوں فحواں ہیں؟
راہ گیسر

نظام الملک طوسی کی شہادت کا یہ ماتم ہے اُسی کی موت کے غم میں سیر پوش ایک عالم ہے
کیا دنیا کو مالامال جس کے فیض نے برسوں اُسی فیاض و عادل کے گزر جانے کا یہ غم ہے
حسن صباح جس کا رہائے شر کی شورش سے بدی کی طاقت اس نیاے فانی میں علم ہے
شہید اس نے کیا اس پاک ہستی کو مکائد سے کہ جس کے رنج و غم غمیِ نفثاںِ جہنم عالم ہے

عمر خیام

ماتم کے ساتھ آمدِ فصلِ خزاں ہے آج ہر رگِ گل سے خونِ شہیدِ اعیان آج
ہر موجِ بحرِ زیت کی ہے قاصدِ فنا طوفاں سے غرقِ کشتیِ عمرِ رواں آج
پیکِ اجل نے رازِ فتن کیوں بتا دیا ہر سرِ بینِ منتِ سنگِ گراں آج
تعمیرِ زندگی ہے اجل ہی کے واسطے تارِ نفس میں سو ششِ برقِ تپان آج

[وقفہ]

عجیل

کیا خونِ منت سے زمانے نے وضو برسوں رہی برقِ تپان کو خرمیوں کی جستجو برسوں

ہوی جب خار و گل میں کشمکش صحنِ گلستاں میں
 شہیدِ ناوک بیداد ہر صیدِ جسم ہے یاں
 ہوائٹ کر پریشاں کاروانِ نگہ بوبرسوں
 کبھی دنیا سکوں سے آشنا ہونے نہیں پائی
 رہا شرمندہ چاک گریباں ہر فرورسوں
 بس ب اے شاہِ گردوں حسد کی انتہا بھی ہے
 کہ ہر خسار سے مٹنارہایاں نگہ بوبرسوں

دوسرا گمبیر

حسن صباح بھی نبی سے خست ہو گیا آخر
 ہزاروں قتل کر کے جانِ پی کھو گیا آخر

عمر خیام

جگِ گلشن میں پہلے آئی جو ربا عینا ہو کر
 کوئی ظالم کوئی مظلوم دنیا سے خوار
 گری بچہ خرمین صیاد پر برق تپاں ہو کر
 فنا کار از باقی ہے صدائے الاماں ہو کر
 ڈوبو یا نامستی زندگی نے راگناں ہو کر
 فنا کے واسطے پیدا کیا دنیا میں انسان

[پرودہ]

چوتھا منظر

میکدہ

آمدِ سحرے نداء میخانہ ما
 پر خیر کہ پر کنیم پیما نہ زمرے
 کے رندِ خراباقتی و دیوانہ ما
 زان پیش کہ پر کنند پیما نہ ما

[میںانہ]

عمر خیام | مغیچوں کی سنگت
 [کوزوں کے انبار]

مغیچوں کی سنگت
 بے رنج و تعب
 اے لیلیٰ شب
 ہنگامِ طرب
 آتا ہے اب

روشن کو کب بھی فروزاں ہے اب مثل شمعِ رحمت رب
اس رنج کا اس حرام کا سبب یہ شور و فغاں بیکار میں سب

عمر خیام
یہاں تک ہستی انسانِ غم نے ناک کھا ہے
کہ مرہِ منوجِ نفس میں خبِ رسفا ک کھا ہے
خمیرِ جامِ منت ہے گلِ خاکِ حیناس سے
مئے گلگوں ہے یا خونِ لیلِ صید ک کھا ہے
مگر اب بادِ صافی کو پی لے کچھ تو تسکین ہو
یہ سامانِ شکستہ شیشہ اور اک کھا ہے

سنگت

پھر آج چین میں جلوہ نکلن ہے شاہدِ گلِ کارِ رخِ روشن
پھر لالہ وریحانِ سوسن سے رشکِ ختن ہے آج چین

عشرت کے ترالے کانے کو

اور لذتِ غم کے مٹانے کو

پھر آج چین میں جلوہ نکلن ہے شاہدِ گلِ کارِ رخِ روشن

عمر خیام

برخیز و دوائے این دلِ تنگ بیار
آں بادِ مشکبوئے گلرنگ بیار
اجزائے مفرحِ غم ارمی خواہی
یا قوتِ مے و بریشمِ چنگ بیار

سنگت

لو جامِ شراب کہ بھر گلشن
اب بادِ بہار کا ہے مسکن
اے مطربِ بھر وہ طرزِ کہن
مچھ لیں جس سے رنج و مہن
ہو جائیں جو ساتی کے درشن
تو اولادِ تو تن من و دھن

عشرت کے ترانے گانے کو

اور لذتِ غم کے مٹانے کو

پھر آج چین میں جلوہ لگن
ہے شاہِ گل کا رخ روشن
[جامِ وچنگ کے ساتھ ساقی کی آمد]

عمرِ خیام

خیام اگر زیادہ سستی خوش باش
بالالہ رخے اگر نشستی خوش باش
چوں آخرِ کار نیست خواہی بود
آں گاہ کہ نیستی چو سستی خوش باش

مغیجے

وہ ضیائے طلعت جبیں کہ وہ ہفتہ ہوش نگیں
وہ بزمِ زکس سزہ نگیں کہ جہاں جس سے نہ نگیں
(سنگت) تری ہر جھلک بت نازیں ہر شکیب عشق پہ لکھتے ہیں

وہ فنونِ عشقہ جانتا ہر ایک قلبِ نوچکا
وہ بزمِ لبِ غواں کہ فروغِ محفلِ گلِ رُخاں
مرثوہ وراز ہے دلِ شاہِ ہر ایک لبِ ہلالاں
(سنگت) تری ہر جھلک بت نازیں ہر شکیب عشق پہ لکھتے ہیں

ساقی کا گیت

خزاں ہونے کو ہے فصلِ شبابِ بہتہ آہستہ
بس اجاری رہے دورِ شرابِ بہتہ آہستہ
مے رنگیں اگر ہو کامیاب آہستہ آہستہ
سکوں پائے دلِ پُر اضطرابِ بہتہ آہستہ
اوہر ہو دخترِ رزبے حجابِ بہتہ آہستہ
اُدھرستِ طربِ چنگِ ربابِ بہتہ آہستہ

رخِ رنگین سے ہوئے نقابِ بہتہ آہستہ

کہ ہو جیسے طلوعِ آفتابِ بہتہ آہستہ

عمر خیام

بر روئے گل از ابر نقابست ہنوز در طبع و لم میل شرابست ہنوز
در خواب مرو چہ جا خوابست ہنوز جانامے وہ کہ آفتابست ہنوز
[پرودہ]

پانچواں منظر

لب آبجو

من ہیچ ندانم لہ مرا آں کہ سرشت از اہل بہشت گفت یادوزخ زشت
تو تے و بتے و بادہ بر لب کشت ایں ہر سہ مرا نقد و ترانیہ بہشت
[لب آبجو] [عمر خیام ساقی اور منیچوں کی سنگت]

عمر خیام

بسزہ ہو چمن ہو اور مئے گلگوں ہو چھایا ہر سو بہار کا افسوں ہو
موجود اگر ساقی گلغام رہے دنیا کی مصیبتوں کیوں نہیں ہو
دودن کی اگر ہے زندگانی ساقی رخصت ہونے کو ہے جوانی ساقی
تو ہو، مے ہو، بہار ہو، بچہ کیا ہے اک لمحہ ہے عمر جاودانی ساقی
[شاہد بہار کی مجسم صورت میں آمد]

شاہد بہار کا گیت

(کورس) چمن پہ اک نکھار ہے کہ آمد بہار ہے

بہار ہے جو دلستاں
تو ہے ہر اکشاں دماں
طیور بھی ہیں نعمہ خواں
زمین بنی وہ بوستاں
شہر کہ آسماں نشار ہے

(کورس) چمن پہ اک نکھار ہے کہ آمد بہار ہے

نکھار پر جو ہے چمن

گلوں پہ آج ہے چمن

کلی نہر ایک خندہ ن

نہک زہی ہے یا من

ترنم ہزار ہے

(کورس) چمن پہ اک نکھار ہے کہ آمد بہار ہے

کہیں بتانِ آذری

ہیں مجو ناز و لہری

غضبِ جنگ زرگری

وہ عتوہ و فسون گری

ہر ایک بے قرار ہے

(کورس) چمن پہ اک نکھار ہے کہ آمد بہار ہے

جہاں میں ایک ہوش ہے

کہ شورِ ناؤ و نوش ہے

چشمِ مے فروش ہے

کہ گم شکیب ہوش ہے

زمانہ مے گسار ہے

چمن پہ اک نکھار ہے کہ آمد بہار ہے

[میل شب کی آمد]

لیلیٰ شب

نمازِ مست ہے لیلیٰ شب کی چشمِ مگیوں سے
نسیم جاں فرآ آتی ہے کوہِ وشتِ ہاموں سے
گلوں میں اک سرت کی لہری دوڑ جاتی ہے
ہمک اٹھتے ہیں غنچے بھی صبا کے دمِ مکنوں سے
قمر نکال باس نور میں گلگشت کی خاطر
ستارے جھانکتے ہیں فصلِ گل کو بامِ گردوں سے
شبِ مہتاب میں محبوب ہو ساغر ہو مینا ہو
نخل ہو گلشنِ فردوس تنگ اس کیفِ انوس سے
دختِ رز

دختِ رز آئی ہے چشمِ دلستاں کھولے ہوئے
رازِ مستی کی نہفتہ داتاں کھولے ہوئے
ظلمتِ گردوں میں جن عشق ہو جاتے فنا
جام کی گردش ہے چشمِ دلبراں کھولے ہوئے
آتشِ سیال میں عکسِ جلالِ یار ہے
ہے سیمہ مستی رموزِ جاوداں کھولے ہوئے
شورِ مینا نے چمن والوں کو حیراں کر دیا
رہ گئے گل لب بہ اندازِ فغاں کھولے ہوئے
مستِ نازِ جنِ شجرہ کو چشمِ مگیوں کی قسم
اب تو آجا گیسوئے عنبرِ فشاں کھولے ہوئے
[تینوں شکلیں غائب ہو جاتی ہیں]
[عمر خیام کا ساغر ٹوٹ جاتا ہے]

عشقم

ایرتقِ منے مرا شکستی ربی
برینِ دیش را بہ بستی ربی
بر خاکِ بر سختی منے ناب مرا
من مست نیم مگر تو مستی ربی
[وقفہ]

اک ادائے ناز سے ساغر کے ٹکڑے کر دیئے
پھر تگر نے دلِ مضطر کے ٹکڑے کر دیئے
بنجودِ کلاستہ جس نے بتایا دہر کو
رہنِ گردوں نے اُس ہمبر کے ٹکڑے کر دیئے

کیا ستم ہے مشیتِ خاکستر کے ٹکڑے کر دیئے
ظلمتِ شب نے مہ و اختر کے ٹکڑے کر دیئے

[وقفہ]

شعلہ دل کو بجھا کر صبرِ آج تانا تجھے
ہے سکوں اس عرصہ ہنگامہ پرور میں محال

کہ رازِ نبی اب جاوداں معلوم ہوتا
اسیروں کو قفس ہی آشیان معلوم ہوتا
خیال کیوئے غیرِ فناں معلوم ہوتا
قسم بھی اک اندازِ فغان معلوم ہوتا
فنا کار از ہستی کا نشان معلوم ہوتا
زمین کا ورہ ذرہ آسمان معلوم ہوتا

[طویل وقفہ]

آں کس کہ گنہ نہ کر دو چوں زیتِ بگو
پس فرقِ میانِ من تو حیثیتِ بگو

دلِ مضطرب فنا کار از داں معلوم ہوتا
جبابِ بیخودی کو اس جہاں میں عیش کتنے
قریبِ دید سے و نبیاں ہر دم سہ سنجی
مگر پھر نیستی ہی خوابِ ہستی سے جگاتی
فنا کے جام میں لقا لیکن ہے پوشیدہ
لگاؤ غور سے تعمیرِ ہستی کو اگر دکھیں

نا کردہ گناہ و جہاں کیست بگو
من بگوں تو بد مکافاتِ دہی

[حسن ابن صباح کی روح داخل ہوتی ہے]

عشقم

حسن ابن صباح کی روح کیوں
یہاں آئی ہے اس طرح سرنگوں

حسن بن صباح کی روح

مرا تو نام بھی دنیا بھلا چکی لیکن
نشانِ زہر نہ باقی رہا زمانے میں
زمین شعرا کا وہ شہر بار باقی ہے
مگر شرابِ سخن کا خمار باقی ہے

[حسن بن صباح کی روح غائب ہو جاتی ہے]

[نظام الملک طوسی کی روح داخل ہوتی ہے]

نظام الملک کی روح

جسے زمانے نے رند جانا طلسمِ مستی کا راز داں ہے
اُسی کی عظمت کا آج چرچا زمین سے تا حدِ آسماں ہے
سمجھ سکا کہ نہ اُس کو زائد تصور تھا تنگیِ نظر کا
ملی حقیقت وہ بے خودی میں نثار خود گلشنِ جہاں ہے

غائب ہو جاتی ہے

رقص و سرود

غیبِ م

من نظامِ ہرستی و ہستی دائم
بایں ہمہ از دلش خود شرم باد
من باطنِ ہر فراز و پستی دائم
گر مرتبہ و رائے مستی دائم

[پرفوہ]

مخدوم محی الدین - ایم۔ اے (عثمانیہ)

[اُن کے مزاج اور کلام میں ایک قسم کی واٹنگی اور بے باکی ہے۔ آرٹ کے مندر میں ہوشیار جاتے اور دیوانہ وار واپس آتے ہیں۔ شعور میں خیال اور جذبے کی دلچسپ آمیزش ہوتی ہے۔ نئے مضامین کے ساتھ نئے الفاظ کی تلاش کرتے، لیکن اپنے شعر کو قید و بند سے آزاد رکھنا چاہتے ہیں۔ اپنی آواز کو کہکشاں میں ڈبوئی ہوئی دیکھ کر یہ آرزو رکھتے ہیں کہ وہ ہمیشہ حرمِ عرش کو چھو کر آگے نکل جائے قلندر کی طرح ان کی نگاہوں کی زد آسمانوں پر رہتی ہے جب کبھی زمین کی طرف دیکھتے ہیں محبت یاد آتی ہے یادہ کثافتیں نظر آتی ہیں جو ابنِ آدم نے اپنے ہاتھوں پر رکھی ہیں۔ اُن کا طنز یہ بہت پر تکلف ہے 'مشرق' قلندر اور ٹوٹے ہوئے تاروں میں ان کا مشرب صاف نظر آ رہا ہے]

مشرق

زنگانی، تازگی، عقل و فراست کا ماساں	جہل، فاقہ، بھیجیک، بیماری، نجاست کا مگال
پرورش پاتا رہا ہے جس میں یوں کا جذام	وہم زائیدہ خداؤں کا روایت کا غلام
کھیلتی ہے سانس سینے میں بضق کو دیکھ	جھڑچکے ہیں دست و بازو جس اُس مشرق کو دیکھ
مغربی چیلوں کا لقمہ خون میں لتھڑی ہوئی	ایک تنگی لاش بے گور و کفن، ٹھٹھری ہوئی
اک بھٹکتی روح ہے جس کا مکان کوئی نہیں	ایک قبرستان جس میں ہونہاں کچھ بھی نہیں
ایک مرگ بے قیامت ایک بے آواز و طوّل	بیکر ماضی کا اک بے رنگ اور بے روح تول
خوابِ اصحاب کہف کو پالنے والی زمیں	اک مسلسل رات جس کی صبح ہوتی ہی نہیں

اس زمینِ موت پرورد کو ڈھایا جائیگا
اک نئی دنیا نیا آدم بنا یا جائے گا!

ٹوٹے ہوئے تارے

کہا ہے مجھ سے یہ ٹوٹے ہوئے ستاروں نے
تو اے دردِ مہی کہکشاں میں ڈوب گئی
سمن برانِ فلک نے شہرِ رکود بچھ لیا
وہ میری آہ کا شعلہ غما کوئی تارا نہ تھا
دلوں میں بیٹھ گیا تیرا زو بن کر
یہ ساکنانِ فلک دردِ غم کو کیا جانیں
وہ غم کو پی تو گئے آنسوؤں کو پی نہ سکے
فلک سے گرنے لگے ٹوٹ کر تارے

فلک کی گود سے چھوٹے ہوئے ستاروں نے
وہ چاند تاروں کے سیلِ رواں میں بگئی
زمین والوں کے دل کو نظر کو دیکھ لیا
وہ خاکداں کا مسافر تھا ماہِ پار نہ تھا
فلک پہ پھیل گیا عشق کا لہو بن کر
یہ خاکیوں کی رویش و کم کو کیا جانیں؟
زمین کے زہر کو پی کر واد اور جی نہ سکے
زمین پہ ڈھیر ہوئے تیرے آہ کے مارے

یہ آگ اور بھی اوپر نکل گئی ہوتی
حریمِ عرش کو چھو کر نکل گئی ہوتی!

قلندر

[چغتائی کی تصویر قلندر کو دیکھ کر]

تیری نظروں کی زد کو آسمانِ لوں سے چھوٹا
ہنرور کو صلہِ صفت گری کا مل گیا ہوگا

مکان والوں سے کیا میں لامکانِ لوں سے چھوٹا
قلندر کی نظر کو دیکھ کر دل ہل گیا ہوگا

جنوں کو عام کر دے دہر کو زیر و زبر کر دے
 انہیں بے باک نظروں کو ذرا بے باک تر کر دے
 غلط آہنگ ساز زندگی برباد ہو جائے
 جہانِ نعمت قید ساز سے آزاد ہو جائے
 نزارِ قص جنوں ہم سازِ اسرافیل ہو جائے
 یہ بزمِ غیر بزمِ خاص میں تبدیل ہو جائے
 میجا دم گلِ فردوس کھلتا جا بہکتا جا
 حرم کی لاش پر داؤد کے نغمے چھڑکتا جا

انتظار

رات بھر دیدہ مناک میں لہرتے رہے
 سانس کی طرح سے آپ آتے رہے جا رہے
 خوش تھے ہم اپنی تمناؤں کا خواب آئے گا
 اپنا ارمان بر انگشتہ نقاب آئے گا
 نظریں نیچی کئے شرمائے ہوئے آئے گا
 کانکلیں حبس کر یہ کچھرائے ہوئے آئے گا
 آگئی تھی دل مضطرب میں شکیبائی سی
 بچ رہی تھی مرے غمِ خانہ میں شہنائی سی
 پتیاں کھڑکیں تو سمجھا کہ لو آپ آہی گئے
 سجدے مسرور کہ مسجد کو ہم پاہی گئے
 شب کے جاگے ہوئے تاروں کو بھی نیند آئے گی
 آپ کے آنے کی اک آس تھی اجانے لگی
 صبح نے سبج سے اٹھتے ہوئے لی نگرانی
 اوصبا تو بھی جو آئی تو اکیلی آئی
 میرے محبوب مری نیند اڑانے والے
 آ بھی جاتا کہ مرے سجدوں کا ارمان نکلتے
 میرے مسجد و مری رُوح پہ چھانے والے
 آ بھی جاتا تارے قدموں پر مری جانے لگے

ساگر کے کنارے

مند میں سچاری لگے ناتوس بجانے
 وہ اُنکے بھجن پیا وہ گیت اُن کے سہانے

تیر کی شہب و رعد کے خصمت ہوا عصبیاں
وہ چھپاؤں میں تاروں کی وہ کھینٹوں کے کنار
کوئل نے کسی کنج سے کو کو کی صدا دی
انگڑائیاں لیتا ہوا طوفانِ جوانی
کچھ لڑکیاں آنچل کو سمیٹے ہوئے بر میں
انگشتِ تری حُسن کے انمول نیکنے
چلتی ہیں اس انداز سے دامن کو سنبھالے
پانی میں لگی آگ پریشان ہے محفل
چہروں کو کبھی شرم سے آنچل میں چھپانا
تالاب پہ افلاک کے گم گشت تہ ستار

آتے ہیں صبح ہوتے ہی ساگر کے کنار

پرسہ

نہ رو ہم نشیں یہ جہاں اور جی ہے
تیرے دل کی ٹھنڈک کو تاروں میں ٹھونڈا
تیرے دل کے نوخیز دعوں کو ڈھونڈا
بہاروں کو لوٹانے والی ہوائیں
مرادوں کو یرلانے والی دوائیں
نہ وہ اور نہ میں اور نہ تو جاودانی

یہاں کی رہ امتحاں اور ہی ہے
تیرے پھول کو مرغزار میں ٹھونڈا
تیرے دل کے نوخیز دعوں کو ڈھونڈا
نہ تیری ہوائیں نہ میری ہوائیں
نہ تیری دوائیں نہ میری دوائیں
ازل کے مصور کا ہر نقش فانی

نامہ حبیب

کہا ہے مجھ سے جنگل کی ان آوارہ ہواؤں نے جو تیری دھڑکنوں کا تحفہ میرے پاس لاتی ہیں

کہ تم کو حسن کی نامہربانی سے شکایت ہے
تنہیں کچی گلی کی بے زبانی سے شکایت ہے
گنہ نامہ آشتاؤں کی جوانی سے شکایت ہے

کہا ہے مجھ سے جنگل کی ان آوارہ ہواؤں نے جو تیری دھڑکنوں کا تحفہ میرے پاس لاتی ہیں

سنا ہے ضبط کو تم دل کی سنگینی سمجھتے ہو
ادائے خوف رسوائی کو خود بینی سمجھتے ہو
یہ کیا سچ ہے مرا آنسو کو رنگینی سمجھتے ہو

کہا ہے مجھ سے جنگل کی ان آوارہ ہواؤں نے جو تیری دھڑکنوں کا تحفہ میرے پاس لاتی ہیں

جفا پر و راد اوں سے سنورنے کے اراد ہیں
خدا کے عشق الفت سے اترنے کے اراد ہیں
زمین آسمان کو ایک کرنے کے اراد ہیں

کہا ہے مجھ سے جنگل کی ان آوارہ ہواؤں نے جو تیری دھڑکنوں کا تحفہ میرے پاس لاتی ہیں

موت کا گیت

عش کی آڑ میں ان بہت کھیل چکا
خون انسان سے حیوان بہت کھیل چکا
مورے جاں سے سلیمان بہت کھیل چکا

وقت ہے آؤ دو عالم کو دگرگوں کر دیں قلب گیتی میں تباہی کے شرارے بھر دیں

ظلمتِ کفر کو ایمان نہیں کہتے ہیں

سگِ خوشنوار کو انسان نہیں کہتے ہیں

دشمنِ جاں کو گنہگار نہیں کہتے ہیں

جاگ اٹھنے کو ہے انہوں کا ناطقِ دم دیکھو ملک الموت کے چہرے کا تبسم دیکھو

جانِ لوفہر کا سیلاب کسے کہتے ہیں

ناگہاں موت کا گرداب کسے کہتے ہیں

قبر کے پہلوؤں کی داب کسے کہتے ہیں

دورِ ناشاد کو اب نشاد کیا جائے گا روحِ انسان کو آزاد کیا جائے گا

نالہ بے اثر اللہ کے بندوں کیلئے

صلۃ دار و رسن حق کے رسولوں کیلئے

قصرِ شاد کے در بند ہیں بھوکوں کیلئے

پھونک دو قصر کو گر کن کا تماشا ہے یہی زندگی جھین لو دنیا سے جو دنیا ہے یہی

زلزلو آؤ دہکتے ہوئے لاؤ آؤ

بجلیو آؤ گرج دار گھٹاؤ آؤ

آندھیو آؤ جہنم کی ہواؤ آؤ

آویز کرہ ناپاکِ مجسم کر ڈالیں کاسہ دہر کو معمرِ کرم کر ڈالیں

میر حسن الدین بی بی اے ایل ایل بی عثمانیہ

[ایک زمانے میں میخانہ شعور کے زند قدح خوار تھے۔ وکالت نے انہیں اپ سیاست کے میدان میں پہنچا دیا ہے۔ فلسفے کے نمایاں طالب علم رو چکے۔ فلسفیانہ تخیلات کو شعور کے جذبہ کے ساتھ ملا تھے اور اس میں ایک خاص اثر پیدا کرتے تھے۔ جو نظمیں یہاں درج ہیں وہ اسی دور قدح خوار ی کی یادگار ہیں]

شباب

یاد کا طفلی ہے تیری ہستی بیتاب
خلد سے نکل آیا ذوقِ آگہی میں تو
ایک شورشِ محشر تیری بزمِ دل میں
بیر عقل سے سمجھ کو، شوقِ رہنمائی
اشکِ تیری نظموں میں جہِ تبسم ہے
آنکھ ہے کہاں تیری آشنائے کیف و کم
ہر قدم پہ ہے لغزش ہے نگہ میں بیتابی
ہے ابھی تہی دامنِ حسن کے گلستان ہیں
رنگ ہے ابھی غالبِ تجھ پہ عہدِ طفلی کا
اے فریبِ خوردہ تو بیکرِ تلوں ہے

جسمِ زندگی میں تو ایک دیدہ لیے خواب
ڈھونڈا بسکونِ دل سوزِ زندگی میں تو
برق کی تیشِ نہاں تیرے آگے گل میں ہے
عاقبت کا تو دشمنِ عیشِ مدعا تیرا
درد کی صدا کو یا شورِ کشِ ترنم ہے
بیسیاں بلوے ہیں کیا حقیقتِ محکم؟
سر پہ اک نشہ طاری دل میں کیفِ سیماں
کوئی گل نہیں چپتا کیا نگاہِ حیراں میں
حسنِ تیرے ہاتوں میں اک کھلونا ہے گویا
تیری جہِ سانی بھی شاید اک نفقہ ہے

اک گریزِ پانظر تو ہے زندگانی کا
پھر بھی کیا سہانا ہے خوابِ جمعِ انی کا

چاندنی رات

منظر یہ آسماں کا کیا جاذبِ نظر ہے
ظلمتِ کدے میں شب کے ہنگامہ سحر ہے
اے ماہِ یہ بھی تیرا عجازِ دلکشی ہے
موجوں میں بیکلی ہے تارو میں خاموشی ہے
عکسِ قمر سے دریا ہم رنگِ آسماں ہے
گویا رواں زبیں پر انجم کا کارواں ہے
گر مار ہی ہے دل کو تاثیرِ چاندنی کی
سینے میں دوڑتی ہے اک لہرِ زندگی کی
اس ٹھنڈی روشنی میں ک کیفِ بخود ہے
جس کے اثر سے فطرتِ بہوش ہو گئی ہے
دلکش ہے گوشتِ پریاں آفریں ہے
حاصلِ دلِ حریں کو یاں بھی سکون نہیں ہے
اس جنتِ نظریں دلِ محوِ شکباری
اصدا پر ہے قائم یہ زندگی ہماری

تاروں کی انجمن میں حرکت بھی سکون بھی
شاعر کے ذہن میں کچھ عقل بھی جنوں بھی

دل کی دنیا

شاعر کے دل کا کاشانہ
ہے ساقیِ عشق کا میخانہ
اک عالمِ سوز و گداز ہے یہ
اک نغمہ بے آواز ہے یہ
یاں کا ہنسِ سود و زیاں ہی نہیں
یاں قیدِ زمانِ مکاں ہی نہیں
یاں آغاز اور انجام نہیں
یاں شامِ حشر کا نام نہیں

یاں آہوں میں ہے موسیقی سامانِ طرب لذتِ غم کی
یاں شمعِ تاثیر کی ہے ضیا گلِ عقل و حکمت کا ہے دیا
یہ حُسن و عشق کی وادی ہے وجدان کو یاں آزادی ہے
ہے جرمِ محبتِ حسن و عمل : اور دل کا سکونِ پیغامِ اجل
یہ نغمہ نری آوازیں ہے .. وہ دل کے شکستہ ساز ہیں ہے

آ تو بھی دل کی بستی میں
گم ہو جاؤں پرستی میں

میکش - صاحبزادہ میر محمد علی خاں (عثمانیہ)

[جذبات کا بیجا نہ سرشار رہتا ہے۔ تخیل میں ہوش ہے جس کو دیکھ کر بعض وقت دل گھبراتا ہے۔ اب کل آزادی اور عمل احساس اور خودداری کے نغمے گا کر قوم کی خواہیاں دور کرنے کی فکر میں ہیں مگر ان کا کلام کا اصل لطف ان کی محبت بھری ترنگوں میں ہے جہاں ان کا شاہد بنا پورا رنگ لکھاتا ہے۔ وطن کے ذریعے جنگیاں لینے کے عادی ہیں۔ غزل میں ان کا تینکھیا بن او شوخی ایک گدگدی سی پیدا کرتی ہے۔ لفظی ترکیبوں پر خوب حاوی ہیں۔ رنگین بحروں میں غزل اور اپنے انداز کے سانچوں میں نظم و کشتی سے ڈھالتے ہیں]

شاعر

خیالِ ناقدری ہے نہ فکرِ کینہِ درمی
شبابِ شعر نے دی ہے مجھے وہ خبری
ہے میری آنکھ میں گلزارِ رنگِ بوا آئسو
مری زبانِ نغمہ ہے، نالہ سحری
مری نگاہ گزرتی ہے آسمانوں سے
مری نگاہ میں یہ بھی ہے ایک کم نظری
کوئی نقاب نہیں ہے عروسِ فطرت پر
کہ میری چشم بصیرت ہے سحرِ جامہ درمی
ہزار بار گری برقِ عنس، جلانہ سکی
مجھے ملی ہے ازل سے متاعِ خوش ببری
مرے خیال کی دنیا مٹا نہیں سکتی
زین کی گردشِ پیہم، فلک کی فتنہ گری
مرا خمارِ محبت، اتر نہیں سکتا
مرے جنوں کو نہیں، احتیاجِ بخیہ گری
بہل ہی جاتا ہے دلِ یادِ دوست کی گنت
نہیں ہے فکر کو میری تلاشِ چارہ گری

مجھے سکوں نہیں ملتا ہے اضطرابِ بغیر
ہے میری حُرّ اُستہستی میں شانِ بے جگری
روستہ رازِ یہ ہر وقت جادوِ پیما ہوں
مرے قدم کو نہیں انتظارِ راہبری

مری رگوں میں مچلتا ہے نوجوان لہو
کہ جیسے ساغر و مینا میں موج مئے کی پری

نظامِ ساگر اور چاندنی

مہتاب کی کرنوں نے کیا جلوہ نگیں	سیلا منور میں ہوئی جنبشِ سیہیں
امواج کے شانوں پر پڑی چادر میں	فطرتِ مخیر تو بنے ہیں یہ نظارے
اس نظرِ نگین میں بزمِ چراغاں	اس بارشِ انوار میں نغمہٴ پنہاں
اس چادرِ سیما میں حسنِ فراواں	دنیا میں نظر آتے ہیں جنتِ نظار
موسیقی مئے محمود میں غلاموشِ نواں	ڈوبی ہیں سکس خیرِ شرابوں ہوئے
مستی سے ہم آہنگ میں پر نورِ فضا میں	جادو نہ جگائیں کہیں بیدار ستار
ہیں خلدِ نظر فطرتِ معصوم کے گلشن	تالابِ بھیکلا میں تقدیس کے دامن
ہر پر تو مہتاب میں ہیں حُجّ مامن	قدرت کے نگینے ہیں درخشندہ ستار
اس خاک کا ہر ذرہ تارِ یک گوہر	اس بحر کا ہر قطرہ ہے ذخارِ سمندر
اس باغ کا ہر خار ہے صدمہٴ شکِ گل	کچھ اور ہی اندازِ نظر آتے ہیں سا
مہتاب و درخشاں کہ شمشیرِ بارِ جنت	پانی کا موج ہے کہ گہوارہٴ جنت
تالابِ کاکہ ہے کہ نظارہٴ جنت	فروں برسِ یہ اتر آئے ہیں سا
جذبات میں یہ مجاہدِ تالاب کی مویں	نارِ کہ شوق میں جذبات کی لہریں

بہتی ہیں ہرک کچھ میں انوار کی نہیں دریا تجلی میں ایلتے ہیں شرارے ساگر کے کنارے

بغاوت

ہر سانس میں ڈوبی ہوئی ہوں کا اثر دیکھ
لہراتے ہیں ہونٹوں پہ مہرِ برقِ شر دیکھ
کچھ آئی تے تلواروں کی مار پہ نظر دیکھ
انسان درندے ہیں اگر حسینے نہ دولنگا
مزدور کا معصوم لہو پیسے نہ دولنگا
لاؤنگا جہنم سے گناہوں کی سنرائیں
طوفان سے مانگوں گناہِ تباہی کی ادائیں
بیکھو گناہِ سمندر سے تلاطم کی جھانیں
اس عالمِ ناپاکت کو برباد کروں گا
روحوں کو غلامی سے میرا زاد کروں گا
جب تک کہ مٹیں خون سے رنگین نگینے
ہو جائیں نہ غرقابِ امارت کے سفینے
لٹ جائیں نہ لوٹی ہوئی دولتِ خزانے
سو گند ہے بھونچال کی آرام نہ لوں گا
اس راہ میں رکنے کا کبھی نام نہ لوں گا
تلوار کو چومے ہوئے ہونٹوں کی قسم ہے
ابھڑے جو چٹانوں پہ یہ نقشِ قدم ہے
مظلوم کے ہاتھوں میں بغاوت کا علم ہے
اب دل کے ہر داغ کو دکھلا کے رہو گا
اب یہ تونہ ہو گا کہ میں گھبرا کے رہو گا

وادی

ساون کی رت جھوم رہی ہے روح سی گویا گھوم رہی ہے
 رنگیں تنی پیٹ کے مارے ہر غنچے کو چوم رہی ہے
 منظر کی خاموش فضا میں ایک جوانی جھوم رہی ہے
 دید حسن کی بیتابی میں ساتھ نظر کے گھوم رہی ہے

جلوہ لیے تابا نہ لٹانا

اپنا وعدہ بھول نہ جانا

کوشش کو حاصل کی ہوس ہے رہرو کو منزل کی ہوس ہے
 نگہت گل کو صحن چین کی لیلیٰ کو محفل کی ہوس ہے
 دل کو ارمانوں کی تمنا ارمانوں کو دل کی ہوس ہے
 میں مرنا ہوں یاد میں تیری بسمل کو قاتل کی ہوس ہے

میری بگڑی بات بنانا

اپنا وعدہ بھول نہ جانا

ظلمت کو پُر نور بنا دے ہر ذرے کو طور بنا دے
 حسن دید کی دولت دے کر آنکھوں کو مغرور بنا دے
 میری خلوت کی دنیا کو ایک جہان نور بنا دے
 درد میں ڈوبے منظر کو ایک بہشتی حور بنا دے

اس وادی کو آکے بسانا

اپنا وعدہ بھول نہ جانا

ہندوستان

خارخوس کی جھوپڑی، مٹی کے بوسیدہ مکاں جیسے اندھوں کے اشارے، جیسے گونگوں کی زباں
جس طرح اترے ہوئے چہرے پہ آنسو کے نشاں جس طرح سوکھی ہوئی ٹہنی پہ اجرٹے آتشاں
داغ جن کے ساز و سماں، درجن کا پاساں

کیا اسی دنیا میں تو پلتا ہے اے ہندوستان

اک سکتا سانس، اک ٹوٹا ہوا تارِ رباب جیسے گہری سوچ میں کھیلے پہر کا مانتاب
جیسے باسی بھول کی بو، جیسے پت جھڑکا گلا جیسے دن میں چاند تارے جیسے یاسِ حباب
جیسے دیوانے کی جنت، جیسے مفلس کا شباب

کیا اسی کو زندگی کہتے ہیں اے ہندوستان

موت کی پرچھائیوں میں پلنے والی زندگی آزمیہوں سے ٹمٹما کر جلنے والی زندگی
ظلمتوں میں اپنی آنکھیں ملنے والی زندگی تھام کر لغزش کا دامن چلنے والی زندگی
غم کے سانچے میں سسل ڈھلنے والی زندگی

کیا اسی کو زندگی کہتے ہیں اے ہندوستان

ایک اربابِ مسرت، ایک اربابِ قرار جیسے بے پایاں سمندر کے کنارے جو سار
جیسے ریگستان میں بھنگی ہوئی موج بہا جیسے دھوئیں کی پرستش، جیسے یوں کا شکار

ارض پر جیسے فرشتے شہر میں جیسے گنوار

کیا یہی ہے اضطرابِ آرزو ہندوستان

ایک آہِ نارسا بیکانہ ذوقِ سخن
جیسے پہلی شام کو مہتاب کی مدھم کرن
جیسے اک اندھی کنواری کا ادھورا بانگین
جیسے مرجھائی ہوئی کلیوں میں رودادِ چین
جیسے اک سوئے ہوئے کافر کی ابرو میں شکن
کیا یہی ہے قوسِتِ فریادِ لے ہند و نساں

آشنائے

کہا ہے مجھ سے یہ تالاکے کناروں نے
فضاے خلد سے آئی ہوئی بہاروں نے
کہ آج آئی تھی حسن و جمال کی دنیا
مرے شباب کی دیوئی خیال کی دنیا
ہنہا کے بیٹھی تھی شانوں پہ بالِ کھرا
لطیف لہروں میں چاندی پاؤں لٹکا
سحر کے خواب میں تھی اک دوائے بیداری
فضا کو مست بناتی تھی ریشمی ساری
گھما رہی تھی کبھی چوڑیاں کلانی میں
سحر کا طکس جھلکتا تھا دلربائی میں
اٹھاکے چوم رہی تھی کبھی جنبیلی کو
کہ جیسے دل سے لگائے کوئی سہیلی کو
ہوا ہے جسم کو سکرانے کی کیا تھی تھی
شفق کو دیکھتی جاتی تھی گنسکنا تھی تھی
مری شہرِ بزرگاہوں سے دور بیٹھی تھی
جریمِ عرش کے دامن میں ہو بیٹھی تھی

فلک کی آنکھ نے دیکھی ہے اسکی تنہائی
کہ جیسے دور سے سنتا ہو کوئی شہنائی

آپِ مہربانی

جان سی ہے بہاریں کرن میں
پھول آیا ہے آموں کے بن میں

کو کو ہر بار کہتی بے کوئل کھوئی کھوئی رہتی بے کوئل
 پی کہاں کہہ رہا ہے پیہا جس کا غم سراسر غمت
 فاختہ کی غم انگیز لے ہے رُوحِ میکیش کے ہونٹوں پہ ہے
 شاما منظر کو تڑپا رہی ہے ہار سنگھار پر گار ہی ہے
 بے زبانی یہ سر یاد اتنی پیست کے دکھ کی روداد اتنی
 ایک طوفان ہے نوجوانی میری حالت ہے میری کہانی
 جاگتا ہوں مگر سو گیا ہوں نودسے میں بے خبر ہو گیا ہوں
 آنکھ روتی ہے دل میں کک ہے اشکات میں حالِ دل کی جھلک ہے
 دل پہ جو کچھ گزرتی ہے میرے جس طرح ہوتے ہیں غم کے پھیر
 کہہ تو سکتا ہوں پر بے زباں بند من میں ہے پیت کی دانتاں بند

رازِ الفت کو کیوں کر کہوں میں

خود پہ الزام کیسے دھروں میں

چاندنی رات

دیرانے سے بستی کی طرف بھاگ رہا ہوں ہنگامہ بستی کی طرف بھاگ رہا ہوں
 ہے خونِ عمل گرم رگ کا ہشتاں میں اک برق ہے موجِ نگہ کون مکان میں
 ہے پردہ درِ راز سکوں دیدہ انجم دریا کی ہر اک موج ہے تیاں تلاطم
 ہے وقت کے ربط کا ہر اک زمانہ ہے چاند کی ہر ایک کرن لکھنا
 ہنگامہ گیتی میں نہاں رازِ عمل ہے اندیشہ انجام بھی آغازِ عمل ہے

ہر ذرے میں تویر عمل دیکھ رہا ہوں ہر خواب میں تعمیر عمل دیکھ رہا ہوں
 ہر ایک قدم راہِ بر راہِ بقا ہے ہر ایک نفس میرے لئے باتِ گاہ ہے
 بیداری دل لغزشِ اک گام نہیں ہے
 پروازِ عمل، مرغِ تہہ دام نہیں ہے

انداز

مُنتابہ حسنِ شمسِ وقس دیکھتا نہیں یعنی نظامِ شام و سحر دیکھتا نہیں
 اسکے بھی پیرہن پہ گناہوں کے داغ ہیں دنیا کو چاہتا ہے مگر دیکھتا نہیں
 اس کو بھی میں نصیبِ محبت کی لذتیں دل تھا مٹا ہے تیر نظر دیکھتا نہیں
 اس کے بھی دل میں آگ بھڑکتی ہو شوق کی جلتا ہے اور قصِ شر دیکھتا نہیں
 اس کے بھی سرنے پایا ہے احسانِ گلی سجدے میں گرتو جاتا ہے دیکھتا نہیں
 اس کو سنبھال لیتی ہیں ہر بار بھوکریں چلتا ہے اور راگز دیکھتا نہیں
 باتوں سے تار لیتا ہے باطن کی لچاں ملتا ہے اور روئے بشر دیکھتا نہیں
 ہنستا ہے صراپے لئے غیر پر نہیں روتا ہے اور دامنِ تزد دیکھتا نہیں
 معلوم ہے مول و غربت کی کشمکش آنکھوں سے امتیازِ نظر دیکھتا نہیں
 اس کو سکون چاہئے جینے کے واسطے رہتا ہے اور اپنا ہی گھر دیکھتا نہیں

نعرہ شباب

قرار لے قرار یوں کا نام ہے شباب میں سکونِ زیست پار ہا ہوں عہدِ اضطراب میں

عمل کے جام میں شرابِ علم پی رہا ہوں میں
نظر کی جستجو میں ہوں دلوں کی آرزو میں ہوں
حیات کی بہار ہوں شباب کی امنگ ہوں
وجودِ چرخ جس پہ منحصر ہے وہ زمیں ہوں
مرا شبابِ زندگی ہے کائنات کے لئے
مری حریم آرزو میں یاس کا گزر نہیں
میں یادِ کارِ بود ہوں میں کائناتِ ہست ہوں
رکاوٹیں ہیں ہر قدم پہ پھر بھی چل رہا ہوں میں

کہ زندگی کو زندگی بنا کے جی رہا ہوں میں
نویذِ زیست جس میں وہ خواہشِ نمویں ہوں
میں غفلتوں کی موج کیلئے پیامِ جنگ ہوں
ہر کان جس پہ ناز کر رہا ہے وہ میں ہوں
عمل کا گیت ہوں میں مطربِ حیا کے لئے
بہارِ بے خزاں ہوں میں خزاں کا چھ کوڈ نہیں
شرابِ پی نہیں کھی کہ بے پیئے ہی مست ہوں
کہ ظلمتوں میں شمعِ نور بن کے جل رہا ہوں میں

دکن پہ مجھ کو ناز ہے دکن کے کام آؤں گا
کہ میں وطن پرست ہوں وطن کے کام آؤں گا

غزلیں

میری محویت کو گرما کر ہنسے
ہنس کے دیکھا دیکھ کر تڑپا دیا
کچھ تکلف سے گرائی برق بھی
چاند کی کرنوں میں چھوکی رُوحِ سی
بیں خمارِ حسن میں انکڑائیاں
کھو دیا حسنِ نظم میں مجھے
دستِ نازک میرے شانے پر رکھا
برق سی ہونٹوں پہ لہرا کر ہنسے
دیکھنے والے کو تڑپا کر ہنسے
جب ہنسی آئی تو شرما کر ہنسے
مستیانِ منظر میں کبھرا کر ہنسے
موجِ منے کی طرح بل کھا کر ہنسے
اپنے منہ سے بھول برا کر ہنسے
بجلیاں رگ رگ میں دوڑا کر ہنسے

کہتے کہتے رک گئے کچھ جی کی بات اپنے منہ نکلتا ہاتھ لیجا کر ہنسنے
 رکتے رکتے مجھ سے وعدہ کر لیا اپنے وعدہ پر قسم کھا کر ہنسنے
 ہنسنے ہنسنے رک گئے کچھ سوچ کر وجہ بپوچھی تو شہ راکر ہنسنے
 میکشِ خاموش نے مانگی جو مئے
 دُور سے ساغر کو دکھلا کر ہنسنے

۲

شرابِ ناب کو دوا تشہ بنائے پلا پلانے والے نظر سے نظر ملا کے پلا
 بھلاکت رہا تھا تبم بھی ساغر مئے میں پھر ایک بار اسی طرح مسکرا کے پلا
 شرابِ نغمہ بھی بہتی رہے فضاؤں کلامِ حافظ و خیام گنگنا کے پلا
 ترا خیال ہے مجھ کو کبھی نہ پہکونگا تری قسم مجھے سوبار آرزو کے پلا
 کچھ اقتیاز ہے میکش میں میکش کا
 لبوں سے اپنے ہر اک جام کو نکال کے پلا

۳

ہم ہنسی میں دل کے صد سہ گئے ہنسنے ہنسنے قصہ غم کہہ گئے
 چند لمحے جو کئے تھے اُن ساتھ وہ بھی دل کے داغ بن کر رہ گئے
 زندگی ڈھونڈے گی ہم کو بعد یہ بھی دیکھینگے جو جیتے رہ گئے
 مار ڈالا آرزوئے موت نے ایسی موت آئی کہ جی کر رہ گئے
 اپنی اور ان کی تمناؤں کے راز کچھ لبوں پر کچھ دلوں میں رہ گئے
 اب کون مرگ سے میں مضطرب صد مہستی تو میکش سہ گئے

۴

مری زندگی کی فطرت کا نظام ہے مجازی
کہ مری نیاز مندی میں شانِ بے نیازی
مرے ہوش کو میسر ہے فقط خیالِ سجد
نہ خیالِ سرگرائی نہ خیالِ سرفرازی
مری بندگی کے چہرے پہ نقابِ تقویٰ
مرا ہر نفسِ عبادت مری ہر نظر نمازی
مری لغزشِ جنوں کہیں چاک ہو نہ جا
یہ لباسِ پارسائی یہ نقابِ پاکبازی
میں چلوں تو اک قیامت میں کو تو اک قیامت
مرا ہر عمل حقیقت مرا ہر سکون مجازی
مرے دل کی دھڑکنوں کو وہ بند ہیں نغمہ
بہ ادائے دلبری و بہ نگاہِ دلنوازی

ابھی ساغرِ تہی میں شرابِ الٰہِ مکیش
یہ گھٹا بھی آسماں کی کہیں تو نہ چالبازی

۵

بیزار ہو گئے ہیں بہار و خزاں سے ہم
اڑتے ہیں بے نفس کی طرف آئیناں سے ہم
قسمت نے اپنے ساتھ تھیک کر سلا دیا
کچھ جو نکلنے ہی والے تھے خواب اس سے ہم
اپنے لئے کہیں بھی بسا لینکے اک جہاں
بیچ جائیں گے جو کشمکشِ دو جہاں سے ہم
بندوں کو بندگی سے غرض ہے ظامعنا
سجدے ہی مانگتے ہیں زلے آستان سے ہم
نقشِ قدم کو رہبرِ منزل بنا دیا
منزل کی جستجو میں چلے ہیں جہاں سے ہم
گم گشتگی میں منزلِ مقصود مل گئی
اچھا ہوا کہ جھوٹ گئے کارواں سے ہم
اڑ جائیں گے چمن سے بھی بن کے رنگ بو
چھپ جائیں گے کہیں نگہ باغباں سے ہم
وہ بھی زمیں پہ آتے ہی بے نور ہو گئے
تارے اڑا کے لائے تھے کچھ آسماں سے ہم
وہ آ رہے میکیشِ مخمور جھومتا
پوچھنے لگے میکدہ کا پتہ اس جواں سے ہم

۶

ڈرتے ڈرتے گناہ کرتا ہوں تیری جانب نگاہ کرتا ہوں
 غمغواںِ شباب کے صدقے دل کی دنیا تباہ کرتا ہوں
 یہ بھی کوئی گناہ ہے شاید : آج ترکِ گناہ کرتا ہوں
 میری گستاخیاں معاف کہیں تیری محفل میں آہ کرتا ہوں
 آج رو رہ کے اپنے سجدوں کو جانے کیوں فرشِ آہ کرتا ہوں
 بات کھوتا ہوں التجا کر کے التجاۓ نگاہ کرتا ہوں

لبِ فریاد بند ہے میکش
 ضبط کو صرف آہ کرتا ہوں

وجد - سکندر علی - بی۔ اے ایچ سی ایس (عثمانیہ)

[ان کے رنگِ کلام کے لئے انکا تخلص بہت وزوں ہے۔ شاعرانہ نگاہِ لطافتوں کو ڈھونڈ نکالتی ہے نگین
اور رواں زبان ان کے ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ دل حساس پایا ہے۔ قوم کی غنیمتوں اور خرابیوں دونوں
پر نظر ہے جذبہ حب وطن سے سرشار ہیں۔ نظم اور غزل دونوں خوب کہتے ہیں۔ غزل میں جذبات کی
تازگی نمایاں ہے۔ خوش رنگی اور خوش نوائی ان کے حیات اور شعور کا ماحول ہے۔ "تاج محل" "علی ساگر"
اور "اجنٹہ" میں ان کے جوہر خیال خوب کھل رہے ہیں]

تاج محل

اے بارگاہِ حسن ترا فیض عام ہے دریاے مہر و لطف رواں صبح و شام ہے
نوکشۂ وفا کا سہانا پیسا م ہے فانی زمیں پہ نقش بقائے دوام ہے
جادو نگاہِ عشق کا پتھر پہ چل گیا
الفت کا خوابِ قالبِ مر مر میں ڈھل گیا
بہزادِ عصا سر ہیں تری گلکاریوں پر دنگ منظر کش بہار چمن ہے جبین سنگ
گیلوں کا وہ نکھار، وہ گلہائے رنگ رنگ فانوس شمع کشتہ سے لپٹے ہوئے پتنگ
رنگینیاں ہیں جو ہر اہل کمال کی
چھنتی ہے جالیوں سے زناکتِ خیال کی
گلریزِ عکسِ خونِ دلِ حسنِ کار ہے اس باغِ بے خراں میں ہمیشہ بہار ہے

پانی پہ عکسِ قلبِ صفتِ بے قرار ہے جہنا ترے شباب کی آئینہ دار ہے
 ہیبت سے تیری دلکشی بے پناہ کی
 گنبد پہ کانپتی ہے کرنِ مہرِ ماہ کی
 یہ زرد زرمِ دھوپ یہ پرکینِ وقتِ شام کندن بنے ہوئے درو دیوارِ صفت و بام
 خورشید کر رہا ہے تجھے آخری سلام وہ قلبِ شرقِ جبر کے نکلا مہ تمام
 جو نہی رواں سفینہ مہتاب ہو گیا
 تو موجِ خیرِ قلمِ سیاب ہو گیا
 تو نقشِ آرزو ہے مجسمِ زمین پر آنکھوں نے تیرے حسن کی مے پی اس قدر
 اک سرخوشی ہے قلب میں سرشار ہے نظر بیٹھا ہوں پائے وقت کی آہٹ سے بے خبر
 ارزاں قدم قدم پہ کون جیتا ہے
 تیری جرمِ ناز میں دنِ نہ رات ہے

علی ساگرؔ

علی ساگر میں بحرِ زندگانی موجزن دکھا تمنا کا گلستاں آرزوؤں کا چین دکھا
 زمیں کے چپہ چپہ کو فلک پر خندہ دکھا دلِ شاعر تڑپ جاتا ہے ایسا بانگین دکھا
 عیاں ہر موج سے ہے پیچِ خمِ خوشِ جانی کا
 دکھاتی ہے شعاعِ منظرِ رگِ پانی کا
 فضا کی کیفِ باری اور مناظر کی فراوانی پچھل کر بہہ رہے ہیں سیم و زراں نگِ پانی

یہاں فطرت سچے شگاہ کر رہی محفلِ انسانی
پریشانی یہ ساحل کی ہے خود پانی کو حیرانی

مصائب لاکھ ہوں اہل بصیرت غم نہیں کرتے

جو عالی ظرف میں تکلیف میں ماتم نہیں کرتے

نشے میں سُن کے شرار ہے مدِ توشنِ ساگر
لہکتا اک چمن ہے اور چمن بردوشنِ ساگر

پیامِ صبح سننے کو سراپا گوش ہے ساگر
سراسر جلوہ گاہِ نعمتِ خاموش ہے ساگر

عجب عالم ہے یہ ساحر گویا زُرافشاں ہے

پڑی ہے اوس واوی گوہر مقصدِ امان ہے

کسلِ دل نے یہ رحمت کا دریا کر دیا
بد قدرت ہمیشہ ہے یہاں مصروفِ گلکاری

عروسِ ماہ کے جلوے کی جیبتِ تری ہے تیار
شفقِ پانی میں حل کرتا ہر جھکے چرخِ رنگا

کنارا آبِ دامنِ موج یوں گلبار ہوتا ہے

گلے میں سبز ساحل کے گلوں کا ہار ہوتا ہے

شبِ مہتاب میں جنتِ نظر بویں نظر
ہوا گلین یہ دھمکتی ہے ہر جلالِ نگار

چمن میں پھولِ بخانی میں کلیا گوش کے مار
لٹاتے بیخِ شش سے چاندنی جو منور ہے

محبت کے فرشتے گوشِ برآواز ہوتے ہیں

اس ارضِ پاک چمن اور نعمے مل کے بہتے ہیں

شبِ تاریک میں ہر ذرہ ہمتِ بار ہوتا ہے
اجل کی گود گویا دامنِ کہسار ہوتا ہے

نظر کو آنکھ سے باہر نکلنا بار ہوتا ہے
”نفسِ سینے میں کچلتی ہوئی تلوار ہوتا ہے“

سیرِ پانی یہ موجیں مچھلیاں معلوم ہوتی ہیں

گھٹائیں تلملائی بجلیاں معلوم ہوتی ہیں

تری خاکِ چمن کو میں بلکوں سے اٹھایا ہے
کُل دریاں کو تیرے اپنی آنکھوں سے لکھایا ہے
تری عنایتوں میں اپنے شعروں کو بسایا ہے
تری تعریف کا نغمہ تجھے پہرہ بنا دیا ہے
مری آواز کی تجھ کو رہے گی آرزو برسوں
مجھے بھی لے علی ساگر! کرے گا یاد تو برسوں

کَل رات کو

دو محضیں دل سے مالِ اندیشیاں کَل رات کو
حسن کی ہوجوں کا طوفاں لے رہا تھا بار بار
وصل کے پر کیف لمحے وقف تھے میرے لئے
اللہ اللہ زلفِ مشکیں کی وہ عنبر ہیریاں
میں دے سکتا تھا پر معنی لگا ہوں کا جواب
چھو لیا دستِ جنائی کو تو سازِ جسم میں
گلِ شبنم تھی کہ پیشانی پہ قطراتِ عرق
قرب اتنا تھا کہ آتی تھی دھڑکنے کی صدا
حسن جو عشق تھا اور عشق غرقِ حسن تھا

کچھ نہ تھا اندیشہ سود و زیاں کَل رات کو
عشق کی آغوش میں انکڑائیاں کَل رات کو
تھا غمِ ہجران نصیبِ دشمنان کَل رات کو
میرا غم خانہ تھا رشکِ بوستاں کَل رات کو
بس جزاک اللہ! اختیارِ دُزیاں کَل رات کو
خون کے بدلے رواں محضیں سجلیاں کَل رات کو
یا شفقِ رضوشتاں تھی کہکشاں کَل رات کو
اُسکے دل پر اپنے دل کا تھا گُل کَل رات کو
تھا من و تو کا نہ جھگڑا درمیاں کَل رات کو

اجنتا

جہاں خونِ جگر پیتے رہے اہل ہنر برسوں
جہاں کھینچا رہا پیچہ کس خیر و شر برسوں
جہاں گھٹنار ہارنگوں میں ہوں کا اثر برسوں
جہاں قائم رہے گی جنتِ قلبِ نظر برسوں

جہاں نغمے جسم لیتے ہیں رنگینی بستی ہے
دکن کی گود میں آباد وہ خوابوں کی بستی ہے

شرابِ شعر کی تاثیر ہے ٹھنڈی ہواؤں میں بہارِ زندگی غلط اس سبزے کی اداؤں میں
نواسے سُرِ مدی آتی ہے جھرنوں کی صداؤں میں بیاں مکن نہیں وہ لطف آتا ہے دعاؤں میں
یہاں صدیوں راج پر سکون شیریں نقلی ہے
یہاں کا ذرہ ذرہ مظہرِ شانِ جمالی ہے

درو دیوار پر ہیں نقشِ حسن و عشق کی گھاتیں پیامِ زندگی دینی ہیں شرمیلی ملاقاتیں
جواں برسات کے دن جان لیوا چاندنی راتیں فضا میں گونجتی رہتی ہیں ہر دم دلشیں باتیں
یہاں پیری پہ ہو جاتا ہے دھوکا نوجوانی کا
سبق دیتا ہے ہر چہرہ حیاتِ جاودانی کا

جگر کے خون سے کھینچے گئے ہیں نقشِ لاثانی تصدقِ جن کے ہر خط پر تختِ رخاۂ مانی
مستحکم ہے شبابِ حسن میں تمخیلِ انسانی تقدس کے سہاگہی رہا ہے ذوقِ عربانی
گلستانِ اجنتا پر جنوں کا راج ہے گویا

یہاں جذبات کے اظہار کی معراج ہے گویا
یہاں مل گیا دستِ جنوں کو حسنِ کاری کا
چٹانوں پر بنایا نقشِ دل کی بقیہ کاری کا
اثاثہ لوٹ ڈالا شوق میں فصلِ بہاری کا
سکھایا اگر اُسے جذبات کی آئینہ داری کا

دلِ کہار میں محفوظ اپنی دانسان کھدی
جگر داروں نے بنیادِ جہاں جاوداں کھدی
ہنرمندوں کے تصویروں میں گویا جا بھیر دی ہے
تراز و دل میں ہو جاتی ہے وہ کافرِ نظر دی ہے

اداوں سے عیا ہے لذتِ در و مگر دی ہے کھلیں گے راز، اس ڈرنے میں پر مہر کر دی ہے

یہ تصویریں بظاہر گو یونہی خاموش رہتی ہیں

مگر اہل نظر جو چھپیں تو دل کے راز کہتی ہیں

کرشمہ ہے یہ سب اہل جنوں کی سعی پیہم کا جنھیں احسانِ نکباتی نہ تھا کچھ شادی غم کا

دلوں پر کس کھینچ آیا تھا جن کے حسنِ عالم کا قلم کو نقشِ اذہر ہو گیا تھا اسمِ اعظم کا

چٹانوں پر شبابِ حسن کی موجیں روا کر دیں

فسوں کا روں نے رنگوں میں بھلیا کر دیں

جہاں چھوڑا خوشی بجا ودا پیغام کی خاطر خوشامد اہل دولت کی نہیں کی نام کی خاطر

نہ چھپانی خاکِ درد کی کسی انعام کی خاطر جسے بھی کام کی خاطر مرے بھی کام کی خاطر

زمانے کی جیس پرکس چھوڑیں نگاہوں کے

رہیں نقشِ ان کے نام مل جائیں شاہو کے

ترے بغیر

سوئی پڑی ہے نرمِ حسیاں ترے بغیر

صحنِ حین ہے گوشہٴ زنداں ترے بغیر

اب خارِ خس ہیں سنبل و ریحاں ترے بغیر

ٹھکرا رہا ہے ابرِ خراماں ترے بغیر

دستی ہے اب تو شمعِ شبتاں ترے بغیر

عقل و جنوں میں ست و گریہاں ترے بغیر

ہے بے سرو و مفلِ زنداں ترے بغیر

بادِ بہار میں ہیں خزاں کی حرارتیں

تو پاس تھا تو سنبل و ریحاں تھے خارِ خس

جامِ شرابِ زہرِ بلا اہل سے کم نہیں

تاریک ہیں جانِ طربِ نورِ باریاں

موجودگی میں تیری جہاں پر سکون تھا

بھرتا ہوں دل میں درد کی دینا لئے ہوئے ملتا نہیں ہے درد کو دل تڑپے بغیر
دل کی طرف ہے بھرتا نگہ انتقامِ غم ہے دستِ یاس سلسلہ خنیاں تڑپے بغیر
خواب و خیال ہو گئیں سب کلفتِ بیاں
چپ سی لگی ہے وجد کو اسے جا تڑپے بغیر

عبدالرزاق لاری

باقی کوئی سلطان کا ہوا خواہ نہیں ہے ہے کون جو انجام سے آگاہ نہیں ہے
دل کس کا اسیر کششِ جاہ نہیں ہے لاری ہی اکیلا ہے جو گمراہ نہیں ہے
غصے میں رخِ تیغِ دو دم چوم رہا ہے
خادمِ درِ آقا پہ کھڑا جھوم رہا ہے
لڑنے لگے خوشنوارِ منل قلعہ کے در پر تیغوں کی چمکتے ہیں درو با مثنور
کس شیر کی ہمت پریشان ہے لشکر بجلی کی طرح ٹوٹ پڑا فوجِ عدو پر
یہ ہاتھ ہے یاد ستِ اہلِ طالع جاں ہے
قبضے میں ترے تیغ ہے یارِ قی پتاں
بجلی سے اعدا پہ تڑپتی ہے سیل عمروں کے تعین کسے ہیں پیمانے گھڑی پل
لاشوں کے ہیں بازار میں جسے جل ہیئتِ پڑی ہے تری اُنوں میں لعل
جس سمت پھرا شورا اٹھا جن بچہ آمد
ہنگامِ وعایتِ قضائشِ خرا آمد

طبوس تراخون سے گلزار ہوا ہے ہر عضو بدن زخم سے سیکار ہوا ہے
یضعف ہے سرتن پہ گراں بار ہوا ہے قہ خون میں ڈوبی ہوئی تلوار ہوا ہے

لے جاتے ہیں گو تجھ کو شہنشاہ کی جانب

نظر میں ہیں تری تخت و تاج کی نیچا

اقبال کا ساتھی ہے پدر ہو کہ برادر ادب میں شکیں نہیں دینا کوئی دم بھر
اس معرکہ و ہر میں ہوتا ہے یہ اکشر قسمت کے بدلتے ہی بدلتا ہے تیور

پر عہد وفا تو نے مصیبت میں نہ توڑا

جب تک ہی طاقت و آقا کو نہ چھوڑا

مشکل میں گوارا نہ کیا غیر کا احساں ٹھکرا دیا یہ کہہ کے شہنشاہ کا قرباں
”مفتوحِ بد اختر کی مات میں لڑ جا میں ملک ہوں ملک کی بیچی مرا ایلا

روکے سے مرا جوشِ فداک نہیں سکتا

گردن مری کٹ سکتی ہے جھک نہ سکتا

شمشیرِ دکن! تو نے عجب صاک بٹھادی دشمن کو شبِ گور کی تصویر دکھادی

اے مرد خدا قدرِ وفا تو نے بڑھادی قرباں ترے مالک کے لئے جا لڑادی

جب تک یہ نظامِ سحر و شام رہیگا

تاریخِ دلیراں میں ترانہ م رہیگا

شب و خواب کی دنیا

یہاں اکثر سنے تھے حسن کے راز یہاں میں نے یہاں پیروں کہی تھی دردِ دل کی داستانیں
یہاں ڈھونڈ اٹھا سجدہ کیلئے اک تن میں نے یہاں پائی تھی آخر اک بہتِ جہم و جاں میں نے

یہی تھی ہمیشیں میرے شبابِ خواب کی دنیا

وہ آجانا تو شبِ شکِ سحر معلوم ہوتی تھی ہر اک شے محسن سے جنت نظر معلوم ہوتی تھی
جوانی کی لطفِ صہبہ اثر معلوم ہوتی تھی خوشی میں زندگی کا فی محض معلوم ہوتی تھی
یہی تھی ہمیشیں میرے شبابِ خواب کی دنیا

بھری رسات میں پہلے پہر گھر کر حساب آتا بہا میں لوٹ پڑتیں ذرہ ذرہ پر شباب آتا
جنوں کا زور ہوتا دور میں جامِ شراب آتا مثالِ موج مے ساقی کے چہرے پر حجاب آتا

یہی تھی ہمیشیں میرے شبابِ خواب کی دنیا

یہاں رکعتِ موتی لے کے آتی چاندنی راتیں محبت رنگ لاتی اور پڑھ جاتی ملاقاتیں
بیان کرتے تھے دونوں حسنِ الفت کی کراماتیں اسی میں رات کٹی ختم ہی ہوتی نہ بقیں باتیں

یہی تھی ہمیشیں میرے شبابِ خواب کی دنیا

محبت کے نشے میں سن کا ذریعہ ہاتھ تھے مجھی کو ابتداءِ عشق کا قصہ سناتے تھے
کہیں میں مکر ادیتا تو فوراً روٹھ جاتے تھے منانے پر مرے رخ پھیر کر کچھ گنگناتے تھے

یہی تھی ہمیشیں میرے شبابِ خواب کی دنیا

کبھی قبلِ سحر پورا نہ ہوتا میرا فسانہ جھکولے نیند کی موجوں میں کھاتی جانِ بچانہ
نشے میں شمعِ نئی زینتِ آغوشِ پروانہ یونہی اکثر چمکتی رات بھر تقدیرِ غم خانہ

یہی تھی ہمیشیں میرے شبابِ خواب کی دنیا

اندھیری رات میں اُن کا چلا آنا قیامت تھا مری حیرت پہ منہس کر پھول برسانا قیامت تھا
صدائے جنبشِ داماں گھبرا نا قیامت تھا سحر کے نور میں منہس کر سما جانا قیامت تھا

یہی تھی ہمیشیں میرے شبابِ خواب کی دنیا

غزلیں

حرمِ عشق کے قابل بنا دیا تو نے روئیں روئیں کو مرے دل بنا دیا تو نے
یہ سب قصور ہے اے قیس کم لگا ہی کا نظر کو پردہ محسوس بنا دیا تو نے
ہر ایک کامل ناقص کو رشک ہے مجھ پر خوشا کہ ناقص کامل بنا دیا تو نے
سفینہ دُوب چکا اب سکون اے طوفان! بھنور کو دامن ساحل بنا دیا تو نے

بچاؤ اپنے نشیمن کا وجدِ خوب کیا
کہ بجلیوں کے مقابل بنا دیا تو نے

۲

کہاں تھی مجھ میں سکت زور آزمائی اٹھائیں عشق نے سب سختیاں زما کی
مری نظر نے کیا کام گد گدائے کا نگاہِ ناز تھی تہیہ مسکرانے کی
اُداس خاص سے اک بار کوندا بے بولی چمک کے رہ گئی تقدیرِ آشیانے کی
مالِ جذبہ تکمیل آج تک نہ کھلا عجیب چیز تھی دھن آشیاں بنا کی

رہے گا وجدِ بیاں عشق کا سدِ اکس
بدلتی جائے گی سُرخِ فقط فانی کی

۳

رہِ رورِ راہِ محبت کی کوئی منزل نہیں زندگی کا عشق حاصل عشق کا حاصل نہیں
چشمِ ساحل آئنا تجھ سا کوئی غافل نہیں دیکھ! طوفانِ اجل کی موج ہے ساحل نہیں
ابتدائیں ہر مصیبت پر لڑ جاتا تھا دل اب کوئی غم امتحانِ عشق کے قابل نہیں

قلمِ مستی ہے اصلی امتحاں کا و کمال
بحر کے طوفان کی ہر موج دریا دل نہیں
شعر کے پردے میں رازِ زندگانی فاش
صرف لفظی شاعری کا وجد میں قائل نہیں

۴

ترے سوا اسے جہاں الفت کلام بھاتا نہیں کسی کا
چمن میں گم میری لے میں بھلے بناں کسے درد اپنے جی کا
ہر ایک نقش قدم پہ صد بان نشانِ سجدہ بنے ہوئے ہیں
ترا نغمہ بہارِ ماں ہے جس پیل بھی پاک دال
چمک رہا ہے مرا مقدر بھلا عدو کو کہاں سر
کوئی جو قدموں پہ گر پڑا ہو تو ہنس کے کوئی اٹھ جائے
فضول ہے وجدِ پند تیری خدائے دل کی گلیری

تجھے یقین آئے یا نہ آئے یہ راز ہے میری خاموشی کا
گلوں کے دامن ہوں پر لبے پر لبے تو خون ہول کلی کا
میری جہیں سائیلوں پہ شاہد ہے ذرہ ذرہ تری گلی کا
ترے تبسم پہ لوٹ کلیاں گلوں میں چرچا تیری کا
وہ جلوہ خاص جس کے رخ پر نقاب کھلتا ہے بڑی کا
ہمارے مذہب میں صرف زاہد ہی تصور ہے بندگی کا
بجائے تکبیر آج میری زباں پہ نام آگیا کسی کا

۵

یقین مان اجاد و بیانی نہیں ہے
گلوں کی طرح بلبلیں بھی جدا ہیں
وُرا شک و رُشا شک و پلکوں پتھم جا
سراسر خطا تھی نگاہِ تمنا
دل و جاں تری طرزِ پریش کے صدقہ
نفس ہے یہ لے زورِ بازو نفس ہے!
مروت گراں ہے، محبت گراں ہے

یہ بتا ہے ظالم کہانی نہیں ہے
کوئی عاشقوں کی نشانی نہیں ہے
مجھے تیری قیمت گراں نہیں ہے
گنہ گار تیری جوابی نہیں ہے
مجھے تجھ سے کچھ بدگمانی نہیں ہے
یہاں رخصت پر فشانے نہیں ہے
یہاں دوستوں کی گراں نہیں ہے

لطیف النساء بیگم ایم اے (عثمانیہ)

[جامعہ کی ذہین اور علم پرست شاعرہ ہیں۔ ذوق شاعری صاف ستھرا پایا ہے۔ تعلیم کی روشنی میں انھوں نے نسوانی دنیا کی تہذیبی خرابیاں، ایک درد بھرے دل کے ساتھ دیکھی ہیں اور اسی دہکے ساتھ کچھ شعری زبان سے اپنی داستان سناتی ہیں۔ ان کا دوسرا مشربہ بچوں کے لیے سادہ نظمیں لکھنا ہے۔ جہاں کیسی خاص آرٹ کے ساتھ کسی موضوع پر نظم لکھتی ہیں وہاں بچے کی زبان سے "ماں" کا دل بولتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ "تاروں کا مدرسہ" اس موضوع کا اچھا نمونہ ہے۔ غزل میں بھی نسل خیال آجاتا ہے جو ان کے احساس قلم کا مظہر ہے۔]

کیسا اچھا خالق ہے تو

سب کی حالت دیکھنے والے سب کی باتیں سننے والے

سب کو پیدا کرنے والے سب کو روٹی دینے والے

مالک ہے تو رازق ہے تو

کیسا اچھا خالق ہے تو

تو نے انساں ہم کو بنایا شکر کریں کیا تیرا مولا

شب بھر میٹھی نیند سلا یا صبح کو خوش بستر سے اٹھایا

مالک ہے تو رازق ہے تو کیسا اچھا خالق ہے تو

علم عطا کر ہم کو یا رب عقل عطا کر ہم کو یا رب

نیک بنا کر ہم کو یا رب جگ میں بڑا کر ہم کو یا رب

مالک ہے تو رازق ہے تو کیسا اچھا خالق ہے تو

ہم کو بنا دے اچھے بچے کام سکھا دے اچھے اچھے
دور برائی کو رکھ ہم سے سن لے میری مولا میرے
مالک ہے تو رازق ہے تو کیسا اچھا خالق ہے تو
اپنے شہزادے ہیں مجیدی دے تو طینت ان کو اچھی
علم و ہنر اور عقل و نیکی ان پہ لگی ہیں آنکھیں سب کی
مالک ہے تو رازق ہے تو کیسا اچھا خالق ہے تو

زمانہ بدل گیا

پہنچا نگار خانہ معنی میں جب خیال
دیکھا کہ تھا وہاں نہ تماشا نہ رنگ و بو
حیرت میں تھا مذاق سخن گو کہ کیا ہوا
موجود ہے نہ رنگ تغزل نہ کیف حسن
کیا ہو گئے وہ حسن و عشق کے تذکرے
نازک خیالیاں وہ ہوئیں کیا جو کھتی تھیں
کیوں دوڑتا نہیں ہے گل والا پرخیاں
آشتنگی وہ دشت نوردوں کی کیا ہوئی
آیا جواب دل سے زمانہ بدل گیا
ملت کا درد دل میں نہ ہو جن کے بس ہی
دنیا عمل سے چلتی ہے بیٹھے ہیں ایک ہم

فکر سخن میں سرگرمیاں کیے ہوئے
سامان صد ہزار گلستاں کیے ہوئے
اٹھا ہے کون بزم کو ویراں کیے ہوئے
رکھتا ہو جو ہوس کو پریشاں کیے ہوئے
پردانہ و چراغ کا ساماں کیے ہوئے
بادِ سحر کو مروجہ جنباں کیے ہوئے
طرف چمن کی سیر کا ساماں کیے ہوئے
دل کو رہین چاک گریباں کیے ہوئے
اسلوب رنگ نو کو نمایاں کیے ہوئے
بیٹھے ہیں حسن و عشق کا ساماں کیے ہوئے
آزادی خیال کا ساماں کیے ہوئے

شعرِ غنائیہ

سلام

السلام اے نور عینِ رحمت اللعالمین
 اے حسینؑ ابن علیؑ ایمان کی توجہ جان ہے
 باپ وہ جس کی فرشتوں نے ثنا کی بار بار
 ماں وہ کی تعظیم جس کی خود نبی نے بار بار
 پلنے والے گودیوں میں احمد مختار کی
 واہ کیا کہنا ترا اے راکبِ دوشِ نبی
 حشر تک باقی رہا اسلام پر احساں تیرا
 ٹوٹا ہے کفر کیونکر تو نے بتلایا ہمیں
 جس سے ہے دور تو وہ پیکرِ تنویر ہے
 تو نے عالم کو دکھا دی شانِ ضبط و اختیاء
 محو حیرت ہے زمانہ تیری ہمت دیکھ کر
 لذت ایدارسانی سے عدو بھی چھک گئے
 اے رضا و جوئے خدا تیری رضا حق کی رضا
 قرب حق منزل تیری ہے مرحلہ تیرا عظیم

السلام اے راحت جان امیر المومنین
 تیرے جد کی شان میں لولاک کا فرمان ہے
 لا فتی الا علی لا سیف الا ذو الفقار
 بضعتا منی کہا جس کو پیغمبر نے سدا
 چوسنے والے زباں کو مخبر اسرار کی
 تو نے دی تاثیر دکھلا فاطمہ کے شیر کی
 کارنامہ نے تیرے تاریخ کو چمکا دیا
 کس طرح مرتے ہیں حق پر تو نے دکھایا ہیں
 جس پہ قدرت نے قلم توڑے تو وہ نصیر ہے
 گود میں اصغر کی مہیت لب پہ شکر کر دگا
 شکر کے سجدے کیے کڑیل جواں کی لاش پہ
 تو مصائب سے نہیں تجھ سے مصائب ٹھک گئے
 اے سراپا سرِ نفسِ مطمئنہ مرجبا
 تیرا پیرو جاوہرِ پیمائے صراطِ مستقیم

ہمت عالی نے تیری لیے لیا کونین کو
 کفر سمجھا راہ حق میں ترکِ نصب العین کو

گلزار رنگ بو

بہار آئی کھلا ہے ہر طرف گلزار رنگ بو
گل و بلبل میں بچھڑ ہونے لگیں سرگوشیاں باہم
ہوا تخیلِ قدر پھر اسیرِ ذوقِ آرائش
پتہ ملنے لگا اس بے نشان کا پتہ پتہ سے
لیے جام و سبو پھر ساقیِ مستِ شباب آیا
نماشا دیدنی ہے گرچہ ہمدِ صحنِ گلشن کا
ہنسی آتی ہے یاں زندہ دلوں کو نوہِ غم پر
ہزاروں مرتبہ دیکھا بدلتے رنگ گلشن کو
نظر آتی ہیں انکارنگیاں کیا کیا نہ گھر بیٹھے
حقیقت میں نہیں ہے فرقِ وحدت اور کثرت کا
ہمارا ظرفِ خود داری نہ چھلکا ہے نہ چھلکیگا

پیپہا کی کہیں پی پی ہے کوئل کی کہیں کو کو
: صنوبر پر صدِ افری کی پھرنے لگی ”یا ہو“
مبارک شاہد حق کے سنور نے پھر لگے گیسو
ہے جس کا رنگ گلشن میں گلوں میں جسکی ہے شہو
بلند ہونے لگی مستوں کی میخانے سے پھر ”ما ہو“
نہیں ہر اک کو دنیا میں دماغِ سیب جو
مبارک باد پر مردہ دلوں کے بہتے ہیں آنسو
نہ بدلی پر نہ بدلی بلبلِ شوریدہ سر کی خو
ذرا سے دل میں ہے آباد اک نیائے رنگ بو
نگا ہیں پڑتی ہیں جس جانِ نظر آتا ہے تو ہی تو
مبارک زاہدانِ خود نما کو ورد ”اللہ ہو“

تاروں کا مدرسہ

فلک پر جو تارے ہیں یہ جگمگاتے
ہے شاید کوئی مدرسہ ان کا اتمی
بہت ہی سویرے سے تیار ہو کر
وہیں ہونگے دن بھر یہ سب لکھتے پڑھتے

کہاں سا راد ان اتمی جاں میں یہ جاتے؟
اندھیرے ہی سے جسکی سمجھتی ہے گھنٹی
یہ سب وقت پر جا کے ہوتے ہیں حاضر
حساب اور قواعد بھی ہونگے یہ کرتے

وہ تار اکٹا میں بڑی ہوگا پڑھتا یہ نسخا سا پڑھتا الف بے تے ہوگا
 بہت دور گھر سے یہ بیچارے دن بھر پڑے رہتے ہونگے جماعت کے اندر
 بڑے ہونگے استاد ان کے غصیلے جگہ سے سرکنے بھی ہونگے نہ دیتے
 جو ہوگا کوئی بھی ذرا جھانک لیتا تو کونے میں ہوگا کھڑا ہونا پڑتا
 یہ تار دل کا ہے مدرسہ کیسا اچھا بڑی دیر سے اس کو ہوتی ہے چھٹی
 یہ تار دل کا ہے مدرسہ کیسا اچھا بڑے دیکھتے ماں کو دن بھر بیچارے
 تیرس ان پہ آتا ہے اچھی مجھے تو اندھیرے میں آتے ہیں بیچارے گھر کو

غزلیات

حقیقت کیا ہے پہنائے جہاں کی ہیں دل میں وسعتیں کون و مکاں کی
 ہر اک ذرہ سے آتی ہے صدایہ نشانی ہے یہیں اس بے نشاں کی
 نڈر ہوں جو ازل سے ان کو کیونکر ڈرائیگی جفائیں آسماں کی
 ہے پستی طائر بہت کی ورنہ ضرورت کب ہے اس کو آشیاں کی
 ہوئی فکر رسا مائل بہ پرواز خبر لائیگی جا کر لامکاں کی
 نہ ہو جبرئیل کی جس جا رسائی بشر کیا کر سکے جرات وہاں کی

ہوا تخلیق جب نور محمد
 کھلی قسمت زمین و آسماں کی

دشمن جاں چرخ نیلی فام ہے ۲
 بہ طرف پھیلنا حسد کا دام ہے
 عشق نافر جام کا انجم ہے
 کو کچھ بیمار عزم بد نام ہے
 چھوڑ دے حرص ہوس کو نفٹ کیوں
 پاؤں مال حسرت کا نام ہے
 شدت غم سے ہوا دل آب آب
 سوزش پیہم کا یہ انجام ہے
 تجھ سے نا اہلوں کو بھی دنیا ملے
 یہ دل ناداں خیال خام ہے
 زندگی کہتے ہیں جس کو ہم نشیں
 اضطراب متصل کا نام ہے
 اہل ظاہر موت کہتے ہیں جسے
 اک سکون قلبی آرام ہے
 فائدہ اس ورد سے ہو یا ضرر
 نام چننا اس کا اپنا کام ہے

ہچکیاں لیتا ہے اب بیمار عزم

زندگی لبریز تیرا جام ہے

۳ وہ عین شاہد و اصل شہود باقی ہے
 اسی کے دم سے یہ سب بہت ہو د باقی ہے
 سراب دہریں کاغذ کی ناؤ چلتی ہے
 غبت سفینہ اہل سجد باقی ہے
 ہزاروں ہو گئے آگے کارواں راہی
 صدائے متصل رفت و بود باقی ہے
 جہاں کے صفحہ تاریخ پر بہ حرف جلی
 بس ایک تذکرہ اہل جود باقی ہے
 اشارہ نزع میں ہے نیم باز آنکھوں کا
 خمار محفل عیش و سرود باقی ہے
 کبھی تھا ہم کو بھی ارمان کام رانی کا
 پراہتو فکر زیاں اور نہ سود باقی ہے

اگرچہ خرمن امید لٹ چکا اپنا

پہ سوزش دل اہل حسود باقی ہے

تپ سوزِ غم سے جلا چاہتی ہوں
 زمانے سے کھویا اسی چاہنے نے
 میرا ساری دنیا بُرا چاہتی ہے
 مصیبت ہو راحت ہو غم ہو کہ شادی
 بڑی خود غرض ہوں بڑی مطلبی ہوں
 سدا اپنے دشمن کو بھی دوست جانا
 کیا قتل دنیا کی ناقدریوں نے
 ہوئی زندگی تلخ ہاتھوں سے جس کے

گناہوں کی اپنے سزا چاہتی ہوں
 میں اب کیا بتاؤں کہ کیا چاہتی ہوں
 میں سارے جہاں کا بھلا چاہتی ہوں
 میں تیری رضا کبریا چاہتی ہوں
 بُرائی کا بدلہ بھلا چاہتی ہوں
 بڑی نا سمجھ ہوں سزا چاہتی ہوں
 میں تجھ سے مرا غل بہا چاہتی ہوں
 اُسی کا بھلا میں سدا چاہتی ہوں

رباعیات

ہستی سے ہے معمور زمانہ کب سے
 حیراں ہوں کہ کیوں ختم نہیں ہوتا ہے

چلتا ہے جہاں کا کارخانہ کب سے
 ہے صرف میں قدرت کا خزانہ کب سے

اوپنچی ہے ہر اک اوج سے پستی اپنی
 دنیا نے بہت ہم کو ستایا لیکن

افلاک کے اُس پار ہے بستی اپنی
 اتری ان ترشیوں سے مستی اپنی

دنیا کی محبت میں اسیری دیکھی
 سیکھی ہے مرے دل نے قناعت جیسے

اسبابِ امارت میں فقیری دیکھی
 بے مانگی میں شانِ امیری دیکھی

نوشابہ - نوشابہ خاتون بی، اے (عثمانیہ)

[حساس دل رکھتی ہیں فیشن پرستی اور تہذیب جدید کی تباہ کاریوں پر آنسو بہاتی ہیں۔
کبھی اپنا درد دل بھی سائے بغیر نہیں رہتیں۔ جب دل اکٹا جاتا ہے تو مناظر قدرت کی طرف
آنکھ اٹھاتی ہیں۔ زندگی ان کے نزدیک ایک نغمہ اور سرود حیات ایک آہ دل سوز ہے۔ کلام میں
سادگی اور صلاوت ہے۔ گاہ گاہ ہلکے طنز سے بھی کام لیتی ہیں۔ نظم کے لیے نئے سانچوں کی طرف بھی
توجہ کی ہے۔ غزل بہت کم کہتی ہیں۔ یاد الہی میں ان کے دن گذرتے ہیں۔]

نغمہ حیات

ہے نوائے تلخ یارب سوز و سازِ زندگی	نغمہ شیریں سنا بر بطنِ نوازِ زندگی
منتشر شیرازہ اوراقِ ہستی جب ہوا	آشکارا ہو گیا دم بھر میں رازِ زندگی
ہے حجابِ زیست اک پردہِ دہائی کا پھیر	جستجو طولِ ازل کی، بے نیازِ زندگی
اپنی ہستی کو مٹا کر بن فردغِ انجمن	شمع سے کچھ سیکھ لے سوز و گدازِ زندگی
ہے سکونِ موت سے بدتر سکونِ بے حسی	سعی و حرکت دہر میں ہے اقیانوسِ زندگی
انبساطِ رُوح ہے سرگرمیِ ذوقِ عمل	دل کی حرکت جس طرح ہے جا نوازِ زندگی

اعتمادِ نفس، استقلال و ایثار و کرم
عرصہ فانی میں ہے اعلیٰ طرازِ زندگی

خسروِ خاور

شوق ہونے لگا ہے پردہ شب، اب خسروِ خاور آتا ہے
 ہے رنجِ مقنع کبریا کا، وہ مہرِ منور آتا ہے
 کیا دوش پہ ڈالے سرِ سرور، نہ توئی چاڑھ آتا ہے
 لورنگ سحر بھی کٹنے لگا، ظلمات کا بادل چٹپٹے لگا
 دامنِ شفق جو سمٹنے لگا خورشید نقاب لٹنے لگا
 کیا جلوہ گری صنایعِ ازل نے مہرِ فلک کو تپتی ہے
 مرہونِ کرم ہر تارِ نفس، شرمندہ احساں ہستی ہے
 آباد اشارے سے جس کے، دنیا کی یہ ساری ہستی ہے
 یہ بیمارے کرشمے اس کے ہیں جو خالق ہے جگہ آتا ہے
 جو سندر سندر روپ نئے، ہر آن میں دکھلاتا ہے
 ہے دل میں تڑپ تیری ہی فقط، آنکھوں میں ہے جلوہ تیرا ہی
 ہر شے میں عالمِ ہستی کی دیکھا ہے کرشمہ تیرا ہی
 سرگرم سپاس و محو ثنا ہے ذرہ ذرہ تیرا ہی
 عاجز ہے عقلِ فلسفہ داں، اور سائنس بھی محو حیرت ہے
 کیا حکمت سبحان اللہ ہے، کیا صنعت ہے کیا قدرت ہے
 لیکن اے پجاری سورج کے، کرخیرہ نہ اپنی بصیرت کو
 مت بھول بصارت پر اپنی، یوں دیکھ کے ظاہر صورت کو

کر غور فیوضِ قدرت پر، کر، سجدے، خالقِ قدرت کو
 جب سینہ کوہ کا پتہ ہے، الماس و لعل اگلتا ہے
 پتھر سے جواہر بنتا ہے، نیلم کچھ سراج نکلتا ہے
 تیار ہیں غلے کھیتوں میں، سورج تو گلچنِ قدرت ہے
 شاداب ہے گلشنِ ہستی کا، خورشیدِ سحابِ رحمت ہے
 لے سطرِ صنعتِ یزدانی، تو صفحہ، ذہر کی زینت ہے
 ہے وجہ نمود رنگ جہاں، تزئینِ باغِ ہستی ہے
 نوشتا بہ اگر سچ پوچھو تو، سورج ہی چراغِ ہستی ہے

فریادِ کجبابِ باری

دل بھی ضعیف اور جگر بھی ضعیف ہے اور چور چور درد سے جسم خفیف ہے
 اس دردِ دل کی دورِ اذیت نہیں ہوئی
 کوئی دفعِ غرض کہ مصیبت نہیں ہوئی
 افسوس ہے بحالِ طبیعت نہیں ہوئی
 اک جسم زار، اور ہیں آزارِ بیسیوں ہے جان ایک شمنِ خونخوارِ بیسیوں
 باقی نہیں علاج میں کچھ بھی رہا اثر
 دکھلاتی زہر کا ہے الہی دوا اثر
 آب و ہوا بدلنے سے الرطاب ہوا اثر
 چلتے نکل ہیں مجھ پہ جو، وہ دشمنوں کے ہیں کاری جو وار لگتے ہیں بد باطنوں کے ہیں

ہے لطفِ زندگی کا نہ موت اختیار میں
 باقی نہ اب سکون رہا قلبِ زار میں
 انفاس کٹ رہے ہیں، مرے اضطراب میں
 مردہ بہ شکلِ زندہ ہوں پڑ مردۃُ الم : بیمار درد مند ہوں، افسردۃُ الم
 کب تک تڑپ تڑپ کئے الہی جیا کروں ؟
 کب تک میں ہائے ہائے الہی کیا کروں ؟
 تو بھی اگر خفا ہو تو کس سے دعا کروں ؟
 تیری زمین، تیرا ہی یہ آسمان ہے یہ جسم زار تیرا ہی، تیری ہی جان ہے
 تو مجھ کو چھوڑ دے تو سنے کون التجا
 کس کو سناؤں، تو بھی اگر مجھ سے ہو خفا
 تیرے سوا تلاش کروں کس کا آسرا
 فرامد، کہ حال مرا اب سقیم ہے بیمار تن ہے غم سے، مراد دلِ دو نیم ہے

ملاشاہی باغ کا منظر

(سری نگر، کشمیر میں)

(+)

اثرِ درابر کوہ سے، ہونے لگا گہرِ فشاں	چوٹی بھی کس شکوہ سے، بادلوں سے ہے ہنسا
دامنِ کوہِ سبز	وادی و شاخِ سبز
آتی ہے جو بہارِ سبز	سارے ہیں برگِ بارِ سبز

فرشِ زمین زمرودیں، نیلگوں چترِ آسماں
 قلعہ کو ہمار برف
 موج ہوا ہے عجزِ نین، قطعہ ہے سارا بدست
 کیوں نہ ہو آبدار برف
 منظر پر بہار برف
 قدرتِ کردگار ہے، ذرہ خاک سے عیاں
 باغ و گل بدوش
 یاں ہے گہرِ ثار برف
 قوتِ نامیہ بجوش
 نظرِ ہر دُعا شکار ہے، شانِ خدائے دو جہاں
 دامنِ کوہِ گل فروش
 نورِ سپہر ہے فروں، چادر آبِ سیم گوں
 سرو کہیں، کہیں چنار
 سب کہیں، کہیں انار
 موج ہوا وہ دلفرا، جس سے ہوا نسلِ ریح
 بیر کہیں ہیں سایہ دار
 گونج رہے ہیں بنو زار
 ترازگی بخش ہے فضا، اور سماں نشاطِ لوح
 نغمہ سرا ہیں یاں ہزار
 مست ہیں سارے جاندار
 جھوم رہے ہیں شاخاں
 منظر پر بہار ہے، رحمتِ کردگار ہے
 نقروی جو بیا ہے، سیم گوں آبشار ہے
 دشت و جبل ہیں لالہ زار
 نگہتِ گل ہے عطر بار
 قدرتِ حق ہے آشکار
 روحِ فزا نسیم ہے، پھیلی ہوئی شمیم ہے
 فضلِ خدا عیم ہے، خطیہ نہیں نعیم ہے

شکوہ دل پی لیا

نوشدارو کی طلب میں زہر قابِل پی لیا
 اپنے ہاتھوں ہیں سے خونِ حسرتِ دل پی لیا
 پھونک ڈالے جُرمِ خوش رنگ نے قلبِ وجہِ گم
 جس طرح پھولوں نے ہو، خونِ عنا دل پی لیا
 دفترِ معنیِ الفتِ ہوا ب غرقِ شراب
 تو نے ساقی اپنا وہ پیمانِ باطل پی لیا
 وِسطہٗ بحرِ ہلاکت سے ملے کیونکر نجات
 تو نے کیا اے تشبہٗ کامِ ذوقِ ساحل پی لیا
 رُوحِ فرسا ہو چکی ہے، تلخیِ مصہبانے غم
 ہم نے سرشاری میں، خنجانہ ہی کال پی لیا
 رنجِ و غم کھاتے رہے، پیتے رہے خونِ جگر
 کیسا یارائے شکایت، شکوہ دل پی لیا

غزل

وہ خدا ہے، خدا کا کیا کہنا اس کی حمد و ثنا کا کیا کہنا
 آرزوئے وفانہ خوفِ جفا دل بے مدعا کا کیا کہنا

بھول کر بھی کبھی نہ یاد کیا آپ کی اعتنا کا کیا کہنا
 طاقتِ ضبط ہے نہ تابِ فغاں دلِ درد آشنا کا کیا کہنا
 مٹ نئے روز گل کھلاتی ہے واہ بادِ صبا کا کیا کہنا
 کشتیاں چلتی ہیں ہواؤں پر اپنے فہمِ رسا کا کیا کہنا
 بجلیاں دشمنوں کے دل پہ لگیں .. میری آہِ رسا کا کیا کہنا
 نہ ہماری سنی، نہ اپنی کہی
 عارفانِ فنا کا کیا کہنا

393